ربیع الاوّل ۱۴۴۳ھ
اکتوبر ۲۰۲۱ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قانونِ اسلامی کے مُستقل مآخذ
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

نوعِ انسانی کا مُعلّمِ اعظم ﷺ
پروفیسر حافظ احمد یار رحمہ اللہ

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل
بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر
اب دو انداز سے دستیاب ہے
● خوبصورت ٹائٹل ● عمدہ سفید کاغذ ● معیاری طباعت
1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں
(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)
مکمل سیٹ کی قیمت: 4800 روپے
2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید
● قرآنی رسم الخط ● تفسیری سائز ● مضبوط ریگزین جلد
2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں
مکمل سیٹ کی قیمت: 4800 روپے
مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

جلد : 70

شمارہ : 10

ربیع الاوّل 1443ھ

اکتوبر 2021ء

فی شمارہ : 40 روپے

سالانہ زرِتعاون: 400 روپے

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مُدیر
حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت:
ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

ادارتی مُعاوِن:
حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375(042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5

امریکہ کی دوستی؟ — ایوب بیگ مرزا

سانحۂ ارتحال 12

اِک دیا اور بجھا.....! — خورشید انجم

بیانُ القُرآن 16

سورۃ الحدید (آیات ۱۲ تا ۲۴) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ وتبصرہ 37

قانونِ اسلامی کے مستقل مآخذ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

نقوشِ سیرت 53

نوعِ انسانی کا معلّمِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم — پروفیسر حافظ احمد یارؒ

نورِ نبوّت کی کرنیں 65

انسانیت: دہلیزِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر — پروفیسر عبداللہ شاہین

نفاذِ دینِ اسلام 70

تلاوتِ دین یا اقامتِ دین! — عامرہ احسان

ظروف واحوال 85

ففتھ جنریشن وار فیئر — لطیف حسن گورگان

انوارِ ھدایت 91

مریض کی عیادت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

علومِ قرآنی 95

علمِ تفسیر اور مفسّرین کرام (۵) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

امریکہ کی دوستی؟

تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بارے میں ہمارے ہاں ایک طبقہ یہ رائے رکھتا ہے کہ یہ سب کچھ ہندوستان پر قابض برطانیہ کی اپنی خواہش کے مطابق ہوا۔ قیامِ پاکستان کے حوالے سے برطانیہ کی مخالفت محض اداکاری تھی اور قائداعظم نے درحقیقت انگریز کی ہدایات پر ہی یہ کردار ادا کیا تھا۔ یہ موقف تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ تقسیم ہند کے وقت برطانیہ کا وزیراعظم کلیمنٹ رچرڈ ایٹلی قائداعظم اور مسلمانوں سے شدید نفرت کرتا تھا جو بڑی واضح تھی۔ زیر بحث طبقہ قائداعظم کو انگریز کا ایجنٹ قرار دیتا ہے۔ ہماری رائے میں تاریخ اگر کسی شخص کا مکمل پوسٹ مارٹم کرے اور اُس کے اُجلے کردار پر ایک داغ کی نشان دہی بھی نہ کر سکے' پھر یہ کہ اپنے دشمنوں سے سیاسی جنگ کرتے ہوئے وہ ایسی اُصول پسندی کا مظاہرہ کرے کہ اُس کا ذاتی' جماعتی اور قومی مفاد بھی راستے میں حائل نہ ہو سکے' وہ کسی بھی صورت میں اُصولوں پر سمجھوتہ کرنے پر تیار نہ ہو تو ایسا شخص کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن کسی بڑی سے بڑی قوت کا بھی ایجنٹ بننے کو کبھی تیار نہیں ہوگا۔ البتہ تاریخ ایسا مواد ضرور فراہم کرتی ہے کہ امریکہ جب پہلی جنگِ عظیم کے بعد ایک قوت بن کر اُبھرا اور دوسری جنگ عظیم میں اتحادی فوجیں امریکہ ہی کا کاندھا استعمال کر کے فتح یاب ہوئیں تو اس نے محسوس کیا کہ مستقبل قریب میں اُس کا ٹاکرا کمیونزم اور سوویت یونین سے ہوگا۔ چونکہ کمیونزم تقسیم ہند سے پہلے ہی ہندوستان میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا' لہٰذا سوویت یونین اور ہندوستان کے درمیان ایک مذہبی ریاست بطور بفرسٹیٹ امریکہ کے مفاد میں تھی تاکہ ہندوستان کی آزادی کے بعد سوویت یونین اور اُس کے کمیونسٹ نظریات کو وہاں واک اوور نہ مل جائے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ جنگ سے بدحال برطانیہ پر امریکہ نے یہ دباؤ ڈالا ہو کہ وہ تقسیم ہند کو تسلیم کر لے۔ قیام پاکستان سے کچھ پہلے ایک امریکی وفد کی ہندوستان آمد' قائداعظم سے ملاقات اور بعدازاں باہمی مفادات کے تحفظ کا اعلان اِس امریکی دباؤ کی تصدیق کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ دباؤ محض وقت کے حوالے سے ہوگا' یعنی امریکہ جلد تقسیم چاہتا ہوگا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ایک ایسی نوزائیدہ ریاست کے پاس جو مذہب کے نام پر بنی تھی' اِس کے علاوہ کیا آپشن تھا کہ وہ مذہب بیزار بلکہ مذہب دشمن' ملحد قوت سے دور رہتی اور جو قوت کم از کم خدا کے وجود کی انکاری نہ تھی' اُس کے قریب ہو جاتی۔ اِس پس منظر میں پاکستان کا امریکہ کے قریب

ہو جانا کوئی انوکھی بات نہ تھی اور نہ ہی اسے غلط سمت میں اٹھایا گیا قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ پاکستان کا اپنے آپ کو ''سیٹو'' اور ''سینٹو'' جیسے معاہدات میں باندھ لینا قابلِ اعتراض اور قومی مفادات کے خلاف تھا۔ تاہم' اس حوالے سے پاکستان کے اُس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے سامنے جو جواز پیش کیا تھا' اُسے ردّ کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ قصّہ کچھ یوں ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ زمانہ طالب علمی میں ایک وفد گورنر ہاؤس لاہور لے کر گئے جہاں وزیراعظم سے ملاقات طے تھی۔ دورانِ ملاقات ڈاکٹر صاحب نے یہ سوال اُٹھایا: ''آپ لوگ (یعنی موجودہ حکمران) پاکستان کو امریکہ کے ساتھ معاہدوں میں باندھ رہے ہیں۔ کل ملک ہم نے سنبھالنا ہے۔ یہ معاہدے ہمارے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائیں گے؟'' وزیراعظم نے جواب دیا: ''دیکھیے بھارت ہمارا بدترین دشمن ہے اور ہم سے بہت بڑا بھی ہے۔ پنڈت نہرو تو کبھی نہیں چاہے گا کہ پاکستان سلامت رہے اور پھلے پھولے۔ لہٰذا ہمیں اپنی سلامتی اور تحفظ کے لیے کسی ایک قوت کا سہارا لینا پڑے گا۔'' بات یہاں تک بھی رہتی تو شاید اتنا نقصان نہ ہوتا' لیکن بعد کے آنے والے حکمرانوں نے بہت سی وجوہات کی بنا پر' خاص طور پر ذاتی اقتدار اور دولت کی ہوس میں' پاکستان کو مکمل طور پر امریکہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ فیروز خان نون کے دور میں امریکہ کو پاکستان میں جاسوسی کا اڈا بنانے کی اجازت دے دی گئی اور یوں سوویت یونین کو اپنا دشمن بنا لیا گیا۔ ۱۹۶۰ء میں بڈبیر کے ہوائی اڈے سے امریکہ کا ایک جاسوسی طیارہ سوویت یونین میں داخل ہوا جو مار گرایا گیا اور سوویت یونین نے پشاور کو ریڈ مارک کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ آغاز میں پاک امریکہ دوستی ایک دوسرے کی ضرورت تھی اور دونوں نے ایک دوسرے کی مدد بھی کی۔ پاکستان نے تو اِس دوستی پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ امریکہ نے بھی پاکستان کو اسلحہ اور دوسرے جنگی ساز و سامان کی ایسی امداد دی جس سے بھارت کے لیے مشکلات پیدا ہو گئیں' کیونکہ اس اسلحہ کی کوالٹی سوویت یونین کے اسلحہ سے کہیں بہتر تھی۔ البتہ امریکہ کی نیت میں کھوٹ تھا۔ بات آگے بڑھانے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ امریکہ کا اصل ایجنڈا کیا تھا! امریکہ دراصل سرمایہ دارانہ نظام کو پوری دنیا پر مسلّط کرنا چاہتا تھا اور ایسی سپریم پاور آف دی ورلڈ بننا چاہتا تھا جس کے سامنے کوئی کھڑا ہونے کا سوچ بھی نہ سکے۔ یہ امریکہ کی خواہش بھی تھی اور اس سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی ضرورت بھی جو وہ مسلّط کرنا چاہتا تھا۔ اِس خواہش کی تکمیل کے راستے میں پہلی اور بڑی رکاوٹ سوویت یونین اور اُس کا کمیونسٹ نظام تھا' جب کہ دوسری رکاوٹ اسلام تھا۔ اگرچہ کوئی اسلامی ملک اِس پوزیشن میں نہیں تھا کہ امریکہ کا سامنا کر سکتا' لیکن امریکی جانتے تھے کہ اسلام دنیا کو ایک ایسا متبادل نظام دے سکتا ہے جو انتہائی عادلانہ اور انسان دوست ہے' اور

سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال کو کسی بھی وقت تلپٹ کر سکتا ہے۔ لہٰذا امریکی پلان یہ تھا کہ پہلے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو ساتھ ملایا جائے اور سوویت یونین سے دو دو ہاتھ کر کے اِس بڑی رکاوٹ کو ختم کیا جائے۔ پھر بعد میں اِن ہی مسلمانوں کے خلاف پوری قوت کے ساتھ کارروائی کی جائے‘ تاکہ امریکہ کو سپریم پاور بنانے والے سرمایہ دارانہ نظام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا پر مسلط کیا جا سکے۔

امریکہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ مسلمان ممالک میں پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کی فوج بڑی منظّم‘ مضبوط اور اعلیٰ جنگی صلاحیتوں کی حامل ہے۔ اِس حقیقت کا اظہار قدرت اللہ شہاب اپنی معرکۃ الآراء کتاب ’’شہاب نامہ‘‘ میں یوں کرتے ہیں کہ جب وہ ہالینڈ میں پاکستان کے سفیر تھے تو اُن کی دوستی چیکوسلواکیہ کے سفیر سے ہوگئی۔ ایک دن اُس نے کہا کہ امریکہ اور سوویت یونین یوں تو بدترین دشمن ہیں لیکن بعض معاملات میں دونوں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ مَیں نے پوچھا: مثلاً؟ وہ کہنے لگا: پاکستان کی فوج کے معاملے میں دونوں متفق ہیں کہ یہ بہت منظّم اور مضبوط ہے‘ لہٰذا اِسے کمزور کیا جانا چاہیے۔ مَیں نے پوچھا: کیسے؟ یعنی وہ کس طرح کمزور کریں گے؟ تو وہ کہنے لگا: پاکستان میں بار بار مارشل لاء لگوا کر۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اب تک چار عدد مارشل لاء لگ چکے ہیں۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آغاز میں ہی پاکستان کی اقتصادی اور عسکری مدد کرنے کے باوجود امریکہ پاکستان کو مضبوط و مستحکم نہیں دیکھنا چاہتا تھا‘ اِس لیے کہ اُسے سوویت یونین سے نمٹنے کے بعد اسلام سے تصادم مول لینا تھا اور پاکستان اُس وقت سب سے بڑا اسلامی ملک تھا۔

۱۹۶۲ء میں ہند چینی سرحدی جھڑپیں ہوئیں۔ بھارت نے اپنی بین الاقوامی سرحدیں محفوظ کرنے کے لیے کشمیر سے اپنی فوجیں نکال لیں۔ چین نے اعلیٰ سفارتی ذرائع سے پاکستان کو پیغام بھیجا کہ اگر پاکستان اِس وقت کشمیر میں اپنی فوجیں داخل کر دے تو اُسے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور ایک طرح سے اُسے واک اوور مل جائے گا۔ قدرت اللہ شہاب کے مطابق اُنھوں نے یہ اہم اطلاع آدھی رات کو صدر ایوب کو جگا کر دی‘ لیکن یہ تجویز ردّ کر دی گئی کیونکہ امریکہ پہلے ہی صدر ایوب کو رام کر چکا تھا کہ ہندوستان اور چین کی جنگ ختم ہونے کے بعد کشمیر پر پاک بھارت مذاکرات کرائے جائیں گے اور یوں مسئلہ کشمیر پُرامن طور پر حل ہو جائے گا۔ صدر ایوب خان امریکی اور بھارتی چال میں پھنس گئے اور کشمیر کی آزادی کا سنہری موقع ضائع کر دیا۔ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ ہوئی۔ اُصولی طور پر امریکہ کو ایک حلیف کی حیثیت سے پاکستان کا ساتھ دینا چاہیے تھا‘ لیکن اُس نے غیر جانبدار ہونے کا اعلان کر دیا اور دونوں ممالک کو اسلحہ کی سپلائی بند کر دی۔ امریکہ سے اسلحہ تو صرف پاکستان لیتا تھا‘ بھارت کو تو سوویت یونین اسلحہ دیتا تھا۔ لہٰذا بھارت کو کوئی فرق نہ پڑا جبکہ پاکستان بڑی بُری طرح متاثر ہوا۔

۱۹۷۸ء میں سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کرنے کی حماقت کی۔ امریکہ نے موقع غنیمت سمجھا اور مذہب کی دہائی دے کر مسلمان ممالک سے جہادی اکٹھے کیے۔ پاکستان نے بھی بھرپور مدد کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سوویت یونین شکست و ریخت کا شکار ہو گیا اور امریکہ اپنا پہلا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب امریکہ سپریم پاور آف دی ورلڈ تھا! لیکن اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ پاکستان اب ایٹمی صلاحیت حاصل کر چکا تھا۔ امریکہ دیکھ اور سمجھ رہا تھا لیکن کچھ کر نہیں پا رہا تھا‘ کیونکہ اُس وقت پاکستان کی گردن دبوچتا تو افغانستان میں اُس کا کھیل بگڑ سکتا تھا۔ اِس جنگ کے دوران امریکی صدر کانگریس کو جھوٹا سرٹیفکیٹ پیش کرتا رہا کہ پاکستان ایٹمی صلاحیت کے حصول کی طرف پیش رفت نہیں کر رہا۔

اب طے شدہ امریکی ایجنڈے کے مطابق اگلا ہدف مسلمان ممالک کو کچلنا تھا تاکہ اپنی بالادستی کو عروج پر پہنچایا جائے اور سرمایہ دارانہ نظام کو ابدی تحفّظ دیا جا سکے۔ اِس دوران امریکہ محسوس کر رہا تھا کہ زرد تہذیب میں سے چین بھی ہر لحاظ سے مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔ لہٰذا ایک تیر سے دو شکار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ نائن الیون کا ڈرامہ رچایا گیا اور اُس کا الزام القاعدہ کے سربراہ اُسامہ بن لادن پر لگایا گیا جو اُس وقت افغانستان میں موجود تھا۔ اِس عذر لنگ کی بنیاد پر پہلے افغانستان پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ کیا گیا‘ پھر عراق کو تہس نہس کر دیا گیا۔ اِس واردات کے کئی پہلو تھے۔ افغانستان میں پھلتی پھولتی اسلامی حکومت کو ختم کیا جائے تاکہ اُس کا نظام مسلم دنیا کے لیے مثال نہ بن سکے۔ افغانستان میں بیٹھ کر چین کا زمینی محاصرہ کیا جائے۔ پاکستان کی بغل میں بیٹھ کر موقع ملنے پر اُس کی ایٹمی صلاحیت کا تیا پانچہ کیا جائے۔

اب امریکہ کو ایک بار پھر پاکستان کی ضرورت پڑی۔ افغانستان ایک Land locked ملک ہے‘ وہاں تک رسائی کے لیے اُسے پاکستان سے تعاون درکار تھا۔ جمہوری حکومت کا تختہ اُلٹ کر جنرل مشرف کو حکمران بنایا جانا بھی شاید طے شدہ منصوبے کا حصّہ تھا۔ بہرحال جنرل پرویز مشرف نے اپنے آقا امریکہ سے بھرپور بلکہ ضرورت سے زیادہ تعاون کیا۔ یہاں یہ نکتہ بیان کرنا ازحد ضروری ہے کہ اُس وقت چین بھی امریکی منصوبے کو پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ سنکیانگ میں مسلمانوں کی بے چینی اور اضطراب کی وجہ سے چونکہ چین امارتِ اسلامیہ افغانستان کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھ رہا تھا‘ لہٰذا اندر ہی اندر اس نے بھی امریکہ کے ہاتھوں افغانستان کی اسلامی ریاست کے خاتمے کو اپنے حق میں سمجھا۔ بعض اطلاعات کے مطابق جنرل مشرف کے امریکہ سے تعاون میں چین کی مرضی بھی شامل تھی۔

امریکہ ہی نہیں‘ صدر مشرف سمیت ساری دنیا یہ سمجھتی تھی کہ جس طرح سے افغانستان پر پنجے گاڑ دیے گئے ہیں‘ افغانستان ہمیشہ کے لیے امریکی کالونی بن جائے گا۔ مگر پھر افغان طالبان جس طرح

مجتمع ہوئے اور اُنھوں نے بیس سالوں میں امریکہ کو جس طرح ناکوں چنے چبوائے' بلکہ اُن کے ناک افغانستان کے سخت اور پتھریلے پہاڑوں پر رگڑے' یہ تاریخ کا حصہ ہے اور سب کے علم میں ہے۔ ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ وقت گزرنے کے ساتھ پاکستان کے خفیہ ادارے بھی امریکی عزائم کو جان چکے تھے۔ صاف اور سیدھی بات تو یہ ہے افغانستان کی صورتِ حال کے حوالے سے امریکہ کے ساتھ ان کا تعاون بھی خالص نہ رہا۔ ہمارے حکمران نہ صرف خوف زدہ ہو کر بلکہ اقتدار اور مال و زر کی ہوس میں پرائی جنگ کو اپنے آنگن میں لے آئے تھے۔ اس کا پاکستان کو اتنا مالی اور جانی نقصان پہنچا اور پاکستان کی عزّت اِس بُری طرح برباد ہوئی کہ اُس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ اِس جنگ میں ہماری سرزمین کو استعمال کرنے میں آزاد تھا۔ ہمارے ہی ملک پر ڈرون حملے کر کے ہمارے شہریوں کو مارتا تھا' پھر انتہائی توہین آمیز لہجے میں کہتا تھا: Do More۔ پھر یہ کہ ڈبل گیم کے طعنے مارتا تھا اور اِس جنگ کے اخراجات ہمیں یوں دیتا تھا جیسے خیرات دے رہا ہو۔

ہمارے حکمرانوں کی بداعمالیوں کے باوجود پاکستان کی خوش قسمتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ دکھائی۔ چین نے اقتصادی اور عسکری طور پر بے مثل ترقی کی اور وہ امریکہ کے لیے باقاعدہ ایک خطرہ بن گیا۔ پاکستان جس نے ہمیشہ اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی بجائے دوسری قوموں کا سہارا لیا اُسے چین کا سہارا مل گیا۔ بہرحال اِس حقیقت کا اعتراف کرنا لازم ہے کہ گزشتہ چار پانچ سال میں ہماری اسٹیبلشمنٹ نے بڑی آہستگی اور اِس احتیاط کے ساتھ کہ امریکہ مشتعل نہ ہو' چین کی طرف سرکنا شروع کر دیا۔ نیز افغان طالبان کی جدّوجہد میں اُن کی کسی نہ کسی سطح پر مدد کرنا شروع کر دی۔ امریکہ ناراضگی کا اظہار کرتا تھا اور پاکستان اُس کی ناراضگی کا مؤدّبانہ طور پر احترام کرتے ہوئے اپنی پالیسی جاری رکھتا تھا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ ادھر افغان طالبان نے افغانستان میں جنگ اور مذاکرات دونوں جاری رکھے ہوئے تھے۔ کسی بھی مبصر کے لیے مشکل نہیں تھا کہ وہ یہ سمجھ سکتا کہ افغان طالبان کی اِس طرح کے تکنیکی معاملات میں کون رہنمائی کر رہا ہے کہ شہروں کی بجائے پہلے سرحدی علاقوں پر قبضہ کیا جائے اور مزار شریف جیسے شمالی اتحاد کے گڑھ کو جنوبی علاقوں سے پہلے فتح کیا جائے' وغیرہ وغیرہ۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ امریکہ پاکستان کے ساتھ ساٹھ ستّر سال سے کر رہا تھا' گزشتہ چند سالوں میں پاکستان نے بھی امریکہ کو اُس کی ہلکی سی جھلک دکھائی ہے۔ بہرحال طالبان نے افغانستان مکمل طور پر فتح کر لیا اور امریکہ کو ذلیل و خوار ہو کر وہاں سے نکلنا پڑا۔

امریکہ اب بلبلا رہا ہے' دہائیاں دے رہا ہے اور ''نزلہ بر عضوِ ضعیف می ریزد'' کے مصداق پاکستان کو دھمکیاں دے رہا ہے۔ اسے بُرے انجام سے خبردار کر رہا ہے۔ اس حوالے سے امریکہ کے وزیر خارجہ بلنکن نے کانگریس کو پانچ گھنٹے کی جو بریفنگ دی ہے اُس میں پاکستان کی دورُخی'

ڈبل گیم اور جفا کا ذکر کیا ہے' لیکن بددیانتی اور احسان فراموشی کی بھی حد ہوتی ہے۔ وہ یہ بتانا بھول گئے کہ کس طرح پاکستان نے امریکیوں کے کہنے پر اپنے قومی مفادات قربان کیے۔ اِس غریب ملک کی معیشت نے امریکی جنگ میں ایک سو ارب ڈالر سے زیادہ کا نقصان برداشت کیا اور ۸۰ ہزار جانیں قربان کر دیں۔ پاکستان جب امریکہ کی خاطر یہ سب کچھ کر رہا تھا تو امریکہ بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان میں ٹی ٹی پی اور بی ایل اے جیسی دہشت گرد تنظیموں کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ پاکستان دہشت گردی سے بُری طرح متاثر ہوا۔ دنیا نے پاکستان کو الگ تھلگ کر دیا۔ پاکستان کی سلامتی پر سوالیہ نشان لگ گیا۔ امریکہ کو افغانستان میں پاکستان کا صرف وہ کردار یاد ہے جو اس جنگ کے آخری حصے میں ادا کیا گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان یہ کردار ادا نہ بھی کرتا تو افغان طالبان کی فتح زیادہ سے زیادہ چند دنوں یا چند مہینوں کے لیے مؤخر تو ہو جاتی۔ البتہ امریکہ کا مقدّر افغانستان میں شکست ہی تھی۔ فرق صرف وقت کا پڑنا تھا۔

اِس ساری صورتِ حال سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ امریکہ اپنے دوسرے دوستوں اور حلیفوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے' تاہم پاکستان سے اُس نے جو رویّہ اپنایا اُس کا حاصل یہ ہے کہ تم ہمارے دوست ہو اور دوستی کا حق ادا کرنا صرف تمہارے ذِمّہ ہے جبکہ ہم جو چاہیں تم سے سلوک روا رکھیں' ہم پر کوئی پابندی نہیں! حقیقت یہ ہے کہ گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی ہے۔ ہنری کسنجر نے کہا تھا کہ امریکہ اپنے دشمنوں کی نسبت اپنے دوستوں کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ خود اس نے بھی یہ رول ادا کیا تھا۔ ۱۹۷۰ء کے آغاز میں پاکستان کی مدد سے ہنری کسنجر نے چین کا خفیہ دورہ کیا۔ یہ چین اور امریکہ کا پہلا سرکاری رابطہ تھا۔ اِس دورے سے امریکہ اور چین کے سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ یہ پاکستان کی ایک قابلِ تحسین سہولت کاری تھی بلکہ امریکہ پر ایک احسان تھا' لیکن اگلے ہی سال جب پاکستان کو مشرقی پاکستان میں نامساعد حالات کا سامنا ہوا تو امریکہ نے پاکستان کو دولخت کرنے میں ایک خفیہ کردار ادا کیا۔ گویا بقول غالب ع ''ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو!''

پاک امریکہ تعلقات کی اس تفصیل سے یہ بات سامنے آئی کہ پاکستان کو اِس میں بہت نقصانات اُٹھانا پڑے۔ اصل سوال اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کیا سارا قصور امریکیوں کا تھا؟ ہماری رائے میں اپنوں نے بھی ظلم میں کوئی کمی روا نہ رکھی۔ ہمارے حکمرانوں' چاہے وہ سیاست دان تھے یا جرنیل' کی اکثریت اپنے اہلِ وطن پر یہ ظلم و ستم ڈھانے میں برابر کی شریک تھی۔ اُنھوں نے اقتدار اور مال و دولت کی ہوس میں قوم کو بے دریغ فروخت کیا۔ یورپ اور امریکہ میں جائیدادیں بنائیں۔ اپنے بچوں کو وہاں تعلیم کے وظائف دلائے اور وہیں بسایا اور آباد کیا۔ ہمارے حکمران'' قومے

فروختند و چہ ارزاں فروختند'' کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ ذاتی مفادات کے حصول کے لیے اُنھوں نے قوم کو امریکہ کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ قوم مقروض ہوگئی' مفلوج ہوگئی' جبکہ آج وہی امریکہ ہم پر طعنہ زنی کر رہا ہے۔ قوم کے ان غداروں کا انجام بھی بدترین ہوگا۔ اُنھوں نے جو جائیدادیں امریکہ اور یورپ میں بنائی ہوئی ہیں اور اُن کے بینکوں میں جو دولت جمع کرائی ہوئی ہے' آنے والے وقت میں کوئی نہ کوئی عذر تراش کر یہی ممالک سب کچھ ضبط کر لیں گے۔

اب امریکہ نے ہمیں دھتکارا ہے یا حالات نے ہمیں مجبور کیا ہے جو ہم نے اپنا رُخ امریکہ سے چین کی طرف پھیر لیا ہے' لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ امریکی اگر شیطان ہیں تو فرشتے چینی بھی نہیں۔ جو کھلائے پلائے گا' وہ اپنے مفادات میں باتیں بھی منوائے گا۔ لہٰذا ہمارے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ ہم ہر لحاظ سے اور ہر سطح پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور بھروسا صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر کریں۔ امریکہ اور پاکستان میں کشیدگی سے بہرحال ہماری پوزیشن کمزور ہوئی ہے' کسی دوسرے کے ساتھ جڑتے ہوئے ہماری پوزیشن بہت کمزور ہوگی۔ حکمرانوں سمیت ساری قوم کو سمجھنا ہوگا کہ دنیا میں کہیں Free Lunch نہیں ملتا۔ ہمیں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے خود کو مضبوط و مستحکم کرنا ہوگا۔ بے بنیاد یا کمزور بنیادوں پر کبھی کوئی مضبوط عمارت کھڑی نہیں کی جاسکتی۔ پاکستان کی اصل بنیاد اسلام ہے۔ کسی کے خوف سے یا ذاتی اور وقتی مفادات کے تحت اگر ہم اسلام سے اعراض کریں گے تو درحقیقت اپنی بنیاد پر کلہاڑا چلائیں گے۔ آخر ہم آنکھیں کھول کر کیوں نہیں دیکھتے کہ ہمارے پڑوس میں افغان طالبان نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے عالمی استعمار کو شکست دی ہے۔ اگر اہل پاکستان بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے وطن کو اسلامی ریاست بنا دیں تو کوئی دُنیوی طاقت پاکستان پر بُری نگاہ نہیں ڈال سکتی۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اِس راستے میں جو تکلیفیں اور مصیبتیں آئیں اُنھیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ رسول اکرم ﷺ کے ایک فرمانِ مبارک کا مفہوم ہے کہ جو بندہ اللہ کی طرف چل کر آتا ہے' اللہ اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ ہمیں یقینِ واثق ہے کہ اگر پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست بن جائے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے گی' جس سے ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ ان شاء اللہ!

❁❁❁

اِک دیا اور بجھا.....!

خورشید انجم (مرکزی ناظم تربیت)

جو نفس بھی اس کائنات میں آیا ہے اسے واپس جانا ہی ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾۔ البتہ ایسے نفوس معدودے چند ہی ہوتے ہیں جو اپنی ذات کو ایک انجمن اور ادارہ کی صورت دے دیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ایسے نفوس اپنی ذات میں علم و عمل کا ایک جہان اور اخلاق و ہدایت کی ایک دنیا بسائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے اُٹھ جانے سے ایک فرد ہی کی کمی نہیں ہوتی بلکہ پوری انجمن اُجڑ جاتی ہے' ایک عہد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں ابھی ہم محترم چودھری رحمت اللہ بٹر صاحبؒ اور محترم ڈاکٹر اقبال صافی صاحبؒ کی موت کے صدمے سے سنبھلے بھی نہ پائے تھے کہ محترم انجینئر مختار حسین فاروقی کا سانحۂ ارتحال پیش آ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

مختار حسین فاروقی' ۱۲ ستمبر ۱۹۵۰ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ نام تو مختار حسین تھا' فاروقی کا لقب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت کی بنا پر اختیار کیا اور یوں یہ ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ تنظیمی حلقوں میں وہ فاروقی صاحب کے نام ہی سے پہچانے جانے لگے۔

۱۹۶۷ء میں انٹرمیڈیٹ کر کے یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور میں داخلہ لیا۔ اس دوران ۱۹۶۸ء میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی اور ان کی دعوت پر سمن آباد میں ان کے ہفتہ وار درسِ قرآن میں شرکت کرنے لگے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد پیشہ وارانہ سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ حصولِ علمِ دین اور غلبۂ دین و اعلائے کلمۃ اللہ کا جو سبق بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ سے حاصل کیا اس میں ایک فلسفیانہ رنگ علامہ اقبال اور شارح اقبال ڈاکٹر رفیع الدین کی تحریروں سے بھرا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ''دین و دنیا اور مذہب و سیاست'' کو یکجا کر کے اللہ کی حاکمیت' یعنی کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی قائم کرنے کی جِدّوجُہد میں تن من دھن کے ساتھ حصہ لیا جائے' تاکہ وہ نظامِ عدل

اجتماعی قائم ہو جائے جو انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے معتدل اور متوازن مجموعے کی حیثیت سے خلق کے لیے خالق کی رحمت و ربوبیت اور عدل و قسط کا جامع اور کامل مظہر بن جائے۔ اس مقصدِ عظیم کے لیے ضرورت پڑ جانے پر جان دے دینا دینِ حق کا لازمی تقاضا ہے۔

بانی تنظیمؒ نے اپنے جانشین کے لیے جب رفقاء سے رائے لی تو فاروقی صاحب کا نام بھی ان چھ حضرات میں آیا تھا۔ بعد ازاں جب بانی محترم نے مشاورت کے بعد حافظ عاکف سعید صاحب کے حق میں فیصلہ فرمایا تو انہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعتِ ثانی کر کے اس تسلسل کو برقرار رکھا۔ جب ۲۰۲۰ء میں محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے علالت کی وجہ سے امارت کی ذمہ داری ادا کرنے سے معذرت کی اور شوریٰ نے اس منصب کے لیے شجاع الدین شیخ صاحب کے حق میں رائے دی تو انہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعتِ ثالث کر لی۔ یہ دراصل اطاعتِ نظم کا وہ سبق تھا جو انہوں نے اپنے استاد اور مربّی ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے حاصل کیا تھا' مرتے دم تک وہ اس پر کاربند رہے۔ تنظیم میں مختلف اہم ذِمّہ داریوں پر فائز رہے۔ امیر حلقہ ملتان بھی رہے اور اب ایک طویل عرصہ سے ناظم اعلیٰ' تحریک خلافت کی ذِمّہ داری ادا کر رہے تھے۔ تنظیم کے تمام مشاورتی فورمز' مرکزی مجلس عاملہ' توسیعی مجلس عاملہ اور مرکزی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے اور اپنی وقیع آراء کا بلاخوف لَوْمَۃَ لَائِمٍ اظہار کرتے تھے۔

۱۹۸۷ء میں کراچی سے کاروبار سمیٹ کر واپسی ہوئی تو مختلف مقامات پر پیشہ ورانہ مصروفیات کے ساتھ دینی مصروفیات بھی بخوبی نبھاتے رہے۔ اس دوران حلقہ ملتان میں امیر حلقہ کی ذمہ داری ادا کرتے رہے' یہاں تک کہ ۱۹۹۲ء میں تمام پیشہ ورانہ مصروفیات کو ترک کر کے اپنے استاد اور داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نقشِ پا کی پیروی کرتے ہوئے خود کو ہمہ وقت دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

۱۹۹۶ء میں اپنے آبائی علاقے جھنگ منتقل ہو گئے تو اس علاقے کے لوگوں کو قرآن حکیم کی عمومی نشر و اشاعت اور قرآن کی انقلابی فکر سے آگاہ کرنے کے لیے ''انجمن خدام القرآن جھنگ'' کی داغ بیل ڈالی۔ ۲۰۰۲ء میں انجمن کی رجسٹریشن ہوئی اور اکیڈمی کے لیے پلاٹ خریدا گیا۔ جب ۲۰۰۳ء میں اکیڈمی کی عمارت ایک حد تک مکمل ہو گئی تو فوراً درس و تدریس کے کام کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انجمن کے تحت جھنگ کے مختلف مقامات پر دروسِ قرآن کا سلسلہ

جاری رہا۔ اسی طرح سلسلہ وار ترجمۂ قرآن بھی شہر کے مختلف مقامات پر جاری رہا' جو بعد میں قرآن اکیڈمی جھنگ کی جامع مسجد میں بروز جمعۃ المبارک خطبۂ جمعہ سے قبل دینا شروع کر دیا۔ شائقینِ درس وقتِ مقررہ سے پہلے ہی مسجد تشریف لے آتے تھے تاکہ کما حقّہٗ استفادہ ہو سکے۔ اپنی حیات مستعار کے آخری جمعہ مورخہ دس ستمبر کو سورۃ الحدید کے تیسرے رکوع کی ابتدائی پانچ آیات کا درس دے کر سامعین اور متعلقین کو بتایا کہ یہ دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ انہیں ہر مصیبتِ ناگہانی کے لیے تیار کیا کہ یہ باذنِ ربّ ہوتی ہے۔ اس رکوع کی پانچویں آیت (سورۃ الحدید: ۲۵) شروع کی اور پھر کہا کہ یہ تفصیل طلب ہے' ان شاء اللہ اگلے جمعہ کو مطالعہ کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے پیغامِ اجل آ گیا۔

بانیٔ تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کا جو سلسلہ ۱۹۸۴ء میں شروع کیا تھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے وسیع پیمانے پر شرفِ قبولیت عطا کیا تھا' فاروقی صاحب بھی جھنگ میں اسی طرز پر قرآن اکیڈمی اور دوسرے مقامات پر رمضان میں یہ دورہ کرایا کرتے تھے۔ اسی طرح عربی زبان کی تعلیم و ترویج جو انجمن ہائے خُدّام القرآن کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے' اس کے لیے مختلف کلاسز کا انعقاد شروع کیا۔ علاوہ ازیں عورتوں کی اصلاح اور دینی تربیت کے لیے خواتین ہال میں ماہانہ تربیتی اجتماع بھی منعقد کرنا شروع کیا۔ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کے لیے جنوری ۲۰۰۷ء سے ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' کا اجراء کیا۔ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ رسالہ بنیادی طور پر فکرِ اقبال اور شارحین اقبال' ڈاکٹر رفیع الدین اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے افکار کے ذریعے قرآن کے فلسفہ و حکمت کو قارئین تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔

آپ کی طبیعت میں سادگی' مزاج میں انکساری' اخلاق میں ملنساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اَسلاف کی پاکبازانہ زندگیوں کا نہایت حسین و جمیل عکس تھے۔ تقویٰ و طہارت' زہد و ورع اور فقر و قناعت کی خوبصورت تصویر تھے۔

وفات سے ایک روز پہلے ۲۵ روزہ کلاس کو پڑھایا اور اپنے موضوع سے ہٹ کر حدیث نبوی ﷺ ((مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ)) ''جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ وہ علم حاصل کر رہا

تھا تاکہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے تو اُس کے اور انبیاء کے درمیان جنّت میں بس ایک درجہ کا فرق ہوگا۔'' کا بطورِ خاص مطالعہ کروایا۔

سوموار ۱۳ ستمبر نمازِ فجر مسجد میں ادا کی۔ کچھ دیر بعد تقریباً ساڑھے سات بجے طبیعت خراب ہوئی اور قے کی۔ فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا' لیکن وقت پورا ہو چکا تھا۔ نماز جنازہ بعد از نمازِ عصر قرآن اکیڈمی جھنگ کے سامنے گراؤنڈ میں ادا کی گئی۔ نمازِ عصر سے قبل نائب ناظمِ اعلیٰ اور مرکزی ناظمِ مالیات محترم ڈاکٹر عطاء الرحمٰن عارف نے گفتگو فرمائی اور ان کے حوالے سے اپنی یادوں کے دریچے وا کیے۔ نماز جنازہ کے موقع پر حاضرین سے نائب امیر تنظیمِ اسلامی محترم اعجاز لطیف صاحب نے تذکیری گفتگو فرمائی' جبکہ نماز جنازہ ان کے بیٹے عبداللہ اسماعیل نے انتہائی گلوگیر آواز میں پڑھائی۔ جنازہ میں جھنگ کے مختلف مکاتب فکر کے لوگوں نے شرکت کی جن میں مولانا معاویہ اعظم طارق (ایم پی اے) اور پیر ذوالفقار احمد نقشبندی قابلِ ذکر ہیں۔ ملک کے مختلف علاقوں سے رفقاء کی ایک کثیر تعداد بھی جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئی اور اپنے استاد' مربّی اور محسن کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ یوں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا تراشا ہوا یہ ہیرا تہِ خاک روپوش ہو گیا۔

فاروقی صاحب تو چلے گئے لیکن ان کے اہداف' ان کے قائم کردہ ادارے اور غلبہ و اقامتِ دین کے حوالے سے ان کا مشن زندہ ہے۔ ان کی اکیڈمی' ان کی تالیفات' ان کے شاگرد اور سب سے بڑھ کر ان کی اولاد' اوّلاً صُلبی اور ثانیاً معنوی ان کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے متوسلین کو ان کی خدماتِ دینیہ اور جس فکر کے وہ ترجمان تھے اس کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ وَاَدْخِلْهُ فِيْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْهُ حِسَابًا يَسِيرًا۔

آمین یا ربَّ العالمین!!

(محترم مختار حسین فاروقیؒ کی دعوتی و تحریکی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو ندائے خلافت' شمارہ ۳۵ کے اداریہ میں نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر مضمون اُس کی تلخیص پر مشتمل ہے۔)

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الْحَدِیْد

آیات ۱۲ تا ۱۵

یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ
اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ
نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ
بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ
الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰكِنَّكُمْ
فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ
اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ
فِدْیَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ
وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾

آیت ۱۲ ﴿یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ﴾ ’’جس دن تم دیکھو گے مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں کو کہ ان کا نُور دوڑتا ہوگا اُن کے سامنے اور اُن کے داہنی طرف‘‘

بعض مفسّرین کی رائے کے مطابق ’’یَوْمَ‘‘ سے پہلے ’’اُذْکُرْ‘‘ محذوف ہے۔ یعنی ذرا تصوّر کرو اُس دن کا جس دن مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں پر یہ عنایت خاص ہوگی۔ اُن کے

سامنے اُن کے ایمان کا نُور ہوگا جبکہ داہنی طرف اعمالِ صالحہ کی روشنی ہوگی۔ (یہ مضمون سورۃ التحریم میں مکرر آئے گا۔ وہاں اس پر اِن شاء اللہ قدرے تفصیل سے گفتگو ہوگی۔)

﴿بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ﴾

’’(ان سے کہا جائے گا:) آج تمہارے لیے بشارت ہے ان جنّتوں کی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں‘ تم رہو گے ان میں ہمیشہ ہمیش۔‘‘

﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾﴾ ’’یقیناً یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ﴾ ’’جس دن کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہ ذرا ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہاری روشنی سے فائدہ اٹھالیں۔‘‘

اس صورتِ حال کو یوں سمجھیں جیسے کچھ مسافر ایک خطرناک جنگل کے اندر تنگ پگڈنڈی پر گھپ اندھیرے میں سفر کر رہے ہوں۔ ان میں سے جن لوگوں کے پاس ٹارچ ہے وہ تو تیز تیز قدموں کے ساتھ پگڈنڈی پر رواں دواں ہیں‘ لیکن جن کے پاس ٹارچ نہیں ہے‘ وہ ان کی منتیں کر رہے ہیں کہ خدارا ذرا رکو‘ ذرا ٹھہرو‘ ہم پر عنایت کرو‘ ہمیں بھی ساتھ لے لو۔ نَقْتَبِسْ کا مادہ ق ب س ہے‘ جس کے لغوی معنی ہیں کسی کی آگ سے چنگاری لے کر اپنی آگ جلانا۔ لفظ ’’اقتباس‘‘ اردو میں quotation کے معنی میں مستعمل ہے۔ آپ نے اپنے مضمون میں کسی اور کی تحریر سے اقتباس شامل کیا تو گویا آپ نے کسی کے چولہے کی ایک چنگاری لا کر اپنے چولہے میں شامل کی ہے۔

﴿قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ﴾ ’’کہا جائے گا: لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور تلاش کرو نُور!‘‘

انہیں بتا دیا جائے گا کہ یہ نُور یہاں سے نہیں ملتا۔ اس وقت جن لوگوں کے پاس تمہیں نُور نظر آ رہا ہے وہ اسے دنیا سے کما کر لائے ہیں۔ چنانچہ اب اگر تمہیں اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو اس کے لیے تمہیں واپس دنیا میں جانا ہوگا اور وہاں جا کر اسے تلاش کرنا ہوگا‘ جس کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔ یہاں پر یہ لطیف نکتہ بھی لائقِ توجّہ ہے کہ منافقین روشنی کے لیے درخواست تو اہلِ ایمان سے کریں گے لیکن اس کا جواب کوئی اور دے گا‘ کیونکہ یہاں قَالُوْا نہیں بلکہ قِیْلَ (کہا

جائے گا) کا صیغہ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کی مروّت اور شرافت سے بعید ہوگا کہ وہ انہیں کورا جواب دیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی فرشتہ انہیں ان کی مذکورہ درخواست کا جواب دے گا۔

﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ﴾ ''پھر ان کے درمیان ایک فصیل کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔''

﴿بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬﴾ ''اس (فصیل) کی اندرونی جانب رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہوگا۔''

یعنی اس دیوار کے اندر کی طرف رحمت باری تعالیٰ کا نزول شروع ہو جائے گا' اہلِ ایمان کی ابتدائی مہمان نوازی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا' جبکہ اس فصیل کے باہر کی طرف عذابِ الٰہی کا نزول شروع ہو جائے گا۔ اس طرح اس چھلنی سے گزار کر منافقین کو سچّے اہلِ ایمان سے الگ کر لیا جائے گا۔

اب اگلی دو آیات میں منافقت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ مرض کیسے پیدا ہوتا ہے اور اس کی پیتھالوجی کیسے ارتقاء پاتی ہے۔

آیت ⑭ ﴿يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ﴾ ''وہ (منافق) انہیں پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟''

ہم تمہارے ساتھ مسجد نبویؐ میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ عیدوں کی نمازوں میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہوتے تھے۔ ہم نے تمہارے ساتھ فلاں فلاں مہمات میں بھی حصّہ لیا۔ ہر جگہ' ہر مقام پر ہم تمہارے ساتھ ہی تو تھے۔ پھر آج تمہارے اور ہمارے مابین اتنا فرق و تفاوت کیوں ہے؟

﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ ''وہ کہیں گے: ہاں کیوں نہیں! (تم تھے تو ہمارے ساتھ ہی)۔''

﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''لیکن تم نے اپنے آپ کو (اپنے ہاتھوں) فتنے میں ڈالا''

فتنہ کیا ہے؟ قرآن مجید میں فتنے کی تین نسبتیں بیان کی گئی ہیں۔ کہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے کہ ہم نے ان کو فتنے میں ڈالا ہے کہ ہم آزما کر ظاہر کر دیں کہ کون کھرا ہے' کون کھوٹا ہے۔ دوسری نسبت ان کُفّار کی طرف کی گئی جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے اور انہیں

فتنے میں ڈال رہے تھے۔ تیسری نسبت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالتا ہے۔ یعنی جو لوگ اہل و عیال اور متاعِ دنیوی کی محبّت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور ان کی محبّت کو اللہ کی محبّت پر ترجیح دیتے ہیں وہ اپنے آپ کو فتنے میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ اس فتنے کا ذکر سورۃ التغابن میں بایں الفاظ فرمایا گیا: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ﴾ (آیت ۱۵) ''بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (تمہارے حق میں) فتنہ ہیں''۔ اللہ تعالیٰ' اُس کے رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلے میں اپنے مال و متاع اور اہل و عیال کو عزیز تر جاننا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ یہاں پر سورۃ التوبہ کی یہ آیت بھی ذہن میں تازہ کر لیں:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ㉔﴾

''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)' تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں' اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے' اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں' (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ' اُس کے رسول اور اُس کے راستے میں جہاد سے' تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

اس آیت نے گویا ایک ترازو نصب کر کے اس کے ایک پلڑے میں آٹھ اور دوسرے میں تین محبتیں رکھ دی ہیں۔ اب ہر کوئی اپنے اپنے پلڑوں کی کیفیت کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ تو اے گروہِ منافقین! تم خود بتاؤ تم نے اپنی زندگیوں میں ان میں سے کون سے پلڑے کو جھکا کر رکھا تھا؟ آٹھ محبتوں والے پلڑے کو یا اللہ و رسولؐ اور جہاد کی محبّت والے پلڑے کو؟ ظاہر ہے دنیا میں تم لوگ دنیاداری کے تقاضوں کو' اپنے مال و منال اور اہل و عیال کو اللہ کی رضا اور اُس کے رسولؐ کی محبّت پر ترجیح دیتے رہے ہو۔ یہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا۔ یہ فیصلہ کر کے تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

﴿وَتَرَبَّصْتُمْ﴾ ’’اور تم گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے‘‘

یہ وہی لفظ ہے جو سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت کے آخر میں (فَتَرَبَّصُوْا) آیا ہے۔ تَرَبُّص کے معنی انتظار کے بھی ہیں کہ آدمی کسی جگہ پر ٹھٹک کر کھڑا ہو جائے۔ ایمان و عمل کے معاملے میں یہ ’’انتظار‘‘ ہی دراصل فتنہ ہے۔ یہ ایمان کی ڈانواں ڈول کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے آدمی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ آگے بڑھوں یا نہ بڑھوں! آگے بڑھتا ہوں تو جان و مال کو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں اور رُکتا ہوں تو باز پُرس کا ڈر ہے۔ ایسی صورتِ حال میں وہ سوچنے لگتا ہے کہ کچھ دیر انتظار کرتا ہوں‘ اگر خطرہ ٹل گیا تو آگے بڑھ جاؤں گا‘ ورنہ پیچھے مڑ جاؤں گا۔ اور باز پُرس ہو گی تو جھوٹ بول کر جان بچا لوں گا۔

﴿وَارْتَبْتُمْ﴾ ’’اور تم لوگ شکوک و شبہات میں پڑ گئے‘‘

پھر تمہاری منافقت کا مرض بڑھ کر اگلے مرحلے میں داخل ہو گیا۔ یعنی پہلے اللہ کے مقابلے میں مال و اولاد کی محبّت نے فتنے میں ڈالا‘ اس کا نتیجہ ’’تَرَبُّص‘‘ (گومگو کی کیفیت) کی صورت میں سامنے آیا۔ پھر اس کے بعد ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب بچے کھچے ایمان میں شکوک و شبہات کے کانٹے چبھنے شروع ہو گئے کہ کیا پتا قیامت آئے گی بھی کہ نہیں! معلوم نہیں یہ مر کر زندہ ہونے کی باتیں سچی اور واقعی ہیں یا محض افسانے ہیں! یہ دنیا تو ایک حقیقت ہے‘ لیکن آخرت کا کیا اعتبار! یہاں کا عیش اور یہاں کے مزے تو نقد ہیں۔ اس آرام و آسائش کو اگر میں آخرت کے موہوم وعدے پر قربان کر دوں تو پتا نہیں اس کا اجر ملے گا بھی یا نہیں! اس کے بعد اس مرض کی آخری نشانی بتائی گئی:

﴿وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ﴾ ’’اور تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تمہاری خواہشات نے‘‘

ان خواہشات کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ بڑا غفورٌ رحیم ہے۔ وہ بڑے بڑے گناہگاروں کو بخش دیتا ہے۔ ہم جو بھی ہیں‘ جیسے بھی ہیں‘ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی اُمّت ہیں۔ بالکل ایسا ہی زعم یہودیوں کو بھی تھا کہ ہم اللہ کے محبوب و برگزیدہ بندے ہیں: We are the chosen people of the Lord۔ چنانچہ تم لوگ اپنی انہی خوش فہمیوں میں مگن رہے۔ اس مرحلے میں اگر کبھی توبہ کرنے اور روش تبدیل کرنے کا خیال تمہیں آیا بھی تو خوشنما آرزوؤں (wishful thinkings) کے تصوّر نے تمہارے ضمیر کو تھپک

تھپک کر پھر سے سلا دیا۔

﴿حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾﴾ ’’یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور تمہیں خوب دھوکہ دیا اللہ کے معاملے میں اُس بڑے دھوکے باز نے۔‘‘

یعنی شیطانِ لعین نے تم لوگوں کو اللہ کے نام پر دھوکہ دیا۔ اس حوالے سے سورۂ لقمان میں ہم یہ تنبیہہ پڑھ چکے ہیں: ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿٣٣﴾﴾ ’’تو (دیکھو!) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے دُنیا کی زندگی اور (دیکھنا!) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اللہ کے حوالے سے وہ بڑا دھوکے باز۔‘‘

زیر مطالعہ اس آیت میں بہت جامع انداز میں منافقت کے مدارج اور مراحل کے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔ مرض کا نقطۂ آغاز مال و اولاد کی حد سے بڑھی ہوئی محبّت سے ہوتا ہے۔ ان چیزوں میں انہماک کی وجہ سے انسان کے دل میں اللہ‘ اس کے رسولؐ اور جہاد کی محبّت بتدریج کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس صورتِ حال کے نتیجے میں تَرَبُّص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے‘ جس کی وجہ سے ایمان کے اندر شکوک و شبہات کے رخنے پڑ جاتے ہیں اور یہ وہ مرحلہ ہے جب نفاق اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو کر دل میں مستقل ڈیرے جما لیتا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ﴾ ’’تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کافروں سے۔‘‘

ان الفاظ میں گویا واضح کر دیا گیا کہ دنیا میں تمہارا شمار بے شک مسلمانوں میں ہوتا رہا تھا لیکن یہاں تمہارا حشر کافروں کے ساتھ ہو گا۔ دنیا میں تو منافق خود کو مسلمان ہی کہتا ہے اور قانوناً بھی وہ مسلمان ہی شمار ہوتا ہے‘ لیکن اللہ خوب جانتا ہے کہ اُس کا دل ایمان سے خالی ہے اور وہ صرف ایک زبانی عقیدہ (dogma) لیے پھرتا ہے۔ ظاہر ہے جب دل میں ایمان ہی نہیں تو اس کے نیک اعمال بھی ریاکاری اور دکھاوے پر مبنی ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو ان کے نیک اعمال کا بھی بالکل کوئی اجر نہیں ملے گا۔ بہرحال میدانِ محشر میں یہ لوگ نُور سے محروم ہوں گے اور ان کا حشر کافروں کے ساتھ ہو گا۔

﴿مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾﴾ ’’تمہارا ٹھکانہ آگ ہے‘ وہی تمہاری غم خوار ہے‘ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔‘‘

''مَاْوٰی'' سے مراد ہے پناہ گاہ' جس کی طرف انسان کسی خطرے سے بچنے کے لیے دوڑتا اور لپکتا ہے۔ یہاں طنزاً فرمایا کہ اب تمہاری پناہ گاہ اور ٹھکانہ یہی آگ ہے۔ اسی طرح یہاں ''مَوْلٰی'' کا لفظ بھی طنزاً استعمال ہوا ہے۔ مَوْلٰی کا مطلب ہے ہمدرد' مونس وغم خوار' غم گسار' مددگار' دوست' پشت پناہ' دمساز' ساتھی وغیرہ۔ چنانچہ فرمایا کہ اب یہی آگ تمہاری ہمدرد' غم گسار اور خبر گیری کرنے والی ہے' دکھ درد کہنا ہے تو اس سے کہو' نالہ وشیون ہے تو اسی سے کرو! مزید فرمایا کہ وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ ''مَصِیْر'' کا مطلب ہے لوٹنے کی جگہ' وہ جگہ جہاں انسان بانجامِ کار پہنچا دیا جائے ـــــ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ!

آیات ۱۶ تا ۱۹

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص سے سوال کر رہے ہیں جس نے اب تک کی یہ سب باتیں پڑھ کر یا سن کر اپنے دل میں اتار لی ہیں۔ سوال وخطاب کا یہ بہت جذباتی انداز ہے:

آیت ۱۶ ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ﴾ ''کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے اہلِ ایمان کے لیے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لیے اور اُس (قرآن) کے آگے کہ جو حق میں سے نازل ہو چکا ہے؟''

یہاں قرآن کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ؕ﴾ یہی بات سورۂ

بنی اسرائیل میں زیادہ پُرزور انداز میں فرمائی گئی ہے: ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ (آیت ۱۰۵) ''اور ہم نے اس کو نازل کیا ہے حق کے ساتھ اور یہ نازل ہوا ہے حق کے ساتھ۔''

دین یا نیکی کے معاملے میں فیصلہ کرتے ہوئے انسان ہمیشہ تاخیر وتعویق سے کام لیتا ہے کہ یہ کرلوں' وہ کرلوں' بس اس کے بعد اپنا طرزِ زندگی درست کرلوں گا! ابھی ذرا بچیوں کے ہاتھ پیلے کرلوں! بس ذرا یہ بچوں کی تعلیم مکمل ہو لے وغیرہ وغیرہ۔ اور دیکھا جائے تو بچوں کی تعلیم ہے کیا؟ صرف دنیا بنانے اور دنیا کمانے کے علم وفن کی تحصیل! گویا جس کوئے ملامت کے طواف میں خود ساری عمر برباد کر دی انہی راستوں پر اپنی اولاد کو گامزن کرنے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں! پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ بچوں کے کیریئرز بنانے کے جنون میں انہیں کچی عمر میں برطانیہ اور امریکہ بھیجنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ وہاں جا کر بچے جب ''ترقی'' کی منازل طے کرتے کرتے اس ''مقام'' پر پہنچ جاتے ہیں کہ مذہب واخلاق سے اپنے تعلق کو باعثِ عار سمجھنے لگتے ہیں تو پھر یہ لوگ بیٹھ کر روتے ہیں اور لادینی تہذیب وتمدن کو کوستے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس سوال پر لازم ہے کہ ہم سب اپنے اپنے ضمیر کی عدالت میں پیش ہو کر خود سے پوچھیں کہ کیا ہماری زندگیوں میں وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ ہم اللہ اور قرآن کے احکام کے سامنے جھک جائیں؟

﴿وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی''

﴿فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ﴾ ''تو جب ان پر ایک طویل مدّت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔''

یہاں پر ﴿فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ کے یہ الفاظ پڑھتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۴ کا وہ حصّہ بھی ذہن میں تازہ کر لیں جس میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ﴾ ''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کچھ کے بعد' پس اب تو وہ پتھروں کی مانند ہیں' بلکہ سختی میں ان سے بھی زیادہ شدید ہیں۔''

﴿وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور ان کی اکثریت اب فاسقوں پر مشتمل ہے۔''

آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ﴿وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ﴾ میں

واضح طور پر بتا دیا گیا کہ بنی اسرائیل بھی تمہاری طرح اپنے زمانے کی اُمّتِ مُسلمہ تھے۔ ان کی روش کو بھی تم جانتے ہو اور ان کے انجام سے بھی تم آگاہ ہو۔ دیکھ لو! اگر تم نے اب بھی توبہ نہ کی اور اپنی روش تبدیل نہ کی تو یہ مت بھولو کہ اُن کی طرح تمہیں بھی نشانِ عبرت بنایا جا سکتا ہے۔

اس ڈانٹ کے بعد اب اگلی آیت میں ہمت افزائی کی جا رہی ہے کہ دیکھو! اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارے دل کی ''زمین'' ایمان کی فصل کے قابل نہیں رہی' تو بھی تمہیں گھبرانے یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

آیت ۱۷ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ ''جان لو کہ اللہ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد۔''

تم اکثر دیکھتے ہو کہ بے آب و گیاہ بنجر زمین پر جب بارش برستی ہے تو اس کے ذرّے ذرّے میں زندگی رواں دواں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر تم لوگ بھی خلوصِ نیت کے ساتھ توبہ کر لو گے اور اللہ کے حضور جھک جاؤ گے تو وہ اپنی نظرِ رحمت سے تمہارے دلوں کی زمین کو بھی ازسرِنو زندگی بخش دے گا اور اسے پھر سے ایمان کی فصل کے قابل بنا دے گا۔

﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۷﴾ ''ہم نے تو تمہارے لیے اپنی آیات خوب واضح کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

لہٰذا تم عقل سے کام لیتے ہوئے اس مثال سے سبق سیکھو! تم خوب سمجھتے ہو کہ فصلیں کب برباد ہوتی ہیں اور زمینیں کیونکر بنجر بنتی ہیں' تمہیں بنجر زمینوں کو پھر سے سرسبز و شاداب بنانے کا نسخہ بھی معلوم ہے۔ یہی نسخہ ذرا اپنے دل کی زمین پر بھی آزماؤ اور اس زمین کو بھی پھر سے آباد کرنے پر کمرِ ہمت باندھو۔ توکّل علی اللہ کا سرمایہ اکٹھا کرو' انفاق فی سبیل اللہ کے ہل چلا کر حُبِّ مال کے جھاڑ جھنکاڑ سے جان چھڑاؤ' پھر اللہ کی اطاعت و محبّت کے بیج بو کر اس کے ذکر کے پانی سے مسلسل آبیاری کرتے چلے جاؤ اور دل میں یقین رکھو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مُردہ زمینوں کو پھر سے زندہ کر دیا کرتا ہے۔

آیت ۱۸ ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۸﴾ ''یقیناً صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو قرض دیں اللہ کو قرضِ حسنہ' اُن کو کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور اُن کے لیے

بڑا باعزّت اجر ہے۔''

سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۵ اور ۳۶ کے مطالعہ کے دوران بھی یہ نکتہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مال خرچ کرنے کی دو مدّیں ہیں: ایک صدقہ اور دوسری انفاق فی سبیل اللہ یا اللہ کے لیے قرضِ حسنہ۔ چنانچہ وہ مال جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غرباء' مساکین' بیواؤں' یتیموں' بیماروں' مسافروں' مقروضوں' محتاجوں اور ضرورت مند انسانوں کی مدد اور حاجت روائی کے لیے خرچ کیا جائے وہ صدقہ ہے۔ اسی مفہوم میں سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کو بھی ''صدقہ'' قرار دیا گیا ہے' کیونکہ زکوٰۃ بنیادی طور پر غرباء و مساکین اور محتاجوں کے لیے ہے۔ اس میں اللہ کے لیے (فی سبیل اللہ) صرف ایک مدّ رکھی گئی ہے۔ اس حوالے سے دوسری اصطلاح ''انفاق فی سبیل اللہ'' یا اللہ کے لیے قرضِ حسنہ کی ہے۔ واضح رہے کہ یہ باقاعدہ ایک اصطلاح کی بات ہو رہی ہے' ورنہ عرفِ عام میں تو صدقہ بھی فی سبیل اللہ ہی ہے' کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اور اُس کی رضا جوئی کے لیے ہی دیا جاتا ہے۔ بہرحال ایک باقاعدہ اصطلاح کے اعتبار سے انفاق فی سبیل اللہ ایسا انفاق ہے جو اللہ کے دین کے لیے' دین کی نشر و اشاعت کے لیے اور اس کے غلبہ و اقامت کی جِدّوجُہد کے لیے کیا جائے اور یہی وہ انفاق ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے ذِمّہ ''قرض'' قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مُردہ زمین کے زندہ ہو جانے کے ذکر کے بعد یہاں صدقہ اور اللہ کے لیے قرضِ حسنہ کی ترغیب میں گویا دل کی مُردہ زمین کو پھر سے ایمان کی فصل کے لائق بنانے کی ترکیب پنہاں ہے۔ یعنی اگر تم نے دل کی مردہ زمین کو زندہ کرنا ہے تو اس میں انفاقِ مال کا ہل چلاؤ اور اس میں سے حبِ دنیا کی جڑوں کو کھود کھود کر نکال باہر کرو۔ یقین رکھو کہ جیسے جیسے تم اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرتے جاؤ گے' ویسے ویسے تمہارے دل کی زمین میں ایمان کی فصل جڑیں پکڑتی چلی جائے گی۔ دنیا کی محبّت کو میں عام طور پر گاڑی کی بریک سے تشبیہہ دیا کرتا ہوں۔ جس طرح گاڑی کو بریک لگی ہو تو وہ حرکت میں نہیں آ سکتی' اسی طرح اگر دنیا کی محبّت آپ کے دل میں پیوست ہو چکی ہے تو اس میں اللہ کے راستے پر گامزن ہونے کی امنگ پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دل کی گاڑی کو رضائے الٰہی کی شاہراہ پر رواں دواں کرنے کے لیے اس کی بریک سے پاؤں اٹھانا بہت ضروری ہے۔ یعنی اس کے لیے مال کی محبّت کو دل سے نکالنا ناگزیر ہے۔ اور اس محبّت کو دل سے نکالنے کی ترکیب یہی ہے کہ اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔

آیت ۱۹ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ﴾ ’’اور جولوگ ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر وہی ہیں صِدّیق اور شہداء اپنے رب کے پاس۔‘‘

یعنی وہ لوگ جو صدقات کے ذریعے اور اللہ کو قرضِ حسنہ دے کر اپنے دلوں سے مال کی محبّت اور اس کی نجاست کو دھوڈالتے ہیں‘ وہ جب ایمانِ حقیقی سے سرشار ہوتے ہیں تو اب ان کے لیے مقامِ صِدّیقیت اور مرتبۂ شہادت تک پہنچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ صدقہ وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ سے اگر دل کی گاڑی کی بریک کھل گئی اور یہ گاڑی ایمانِ حقیقی کے راستے پر رواں دواں ہوگئی تو پھر اہلِ ایمان میں سے ہر کوئی اپنی ہمت اور کوشش کے مطابق اس راستے کی منازل طے کرنے کے قابل ہوجائے گا۔ سیاقِ مضمون کے اعتبار سے اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر تم نے انفاقِ مال کے ذریعے مال کی محبّت کو دل سے نکال کر اللہ کی محبّت سے اپنے دل کو آباد کرلیا تو ایمانِ حقیقی تمہارے دلوں میں راسخ ہوتا چلا جائے گا۔ اس کے بعد تم اپنی اپنی کوششوں اور اپنی اپنی طبائع کے مطابق ترقّی کرتے چلے جاؤ گے۔ ترقّی کے اس راستے میں تم میں سے بعض لوگ شہادت کے مقام پر بھی فائز ہوسکتے ہیں اور بعض صِدّیقیت کا مرتبہ بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ وہی اعلیٰ مراتب ہیں جن کا ذکر سورۃ النساء کی اس آیت میں ہوا ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾﴾

’’اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور رسولؐ کی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں معیت حاصل ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا‘ یعنی انبیاء کرام‘ صِدّیقین‘ شہداء اور صالحین‘ اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے!‘‘

چنانچہ تم ہمت کرو‘ اپنے دل کی گاڑی کی بریک کھولو‘ ایمان کا ایکسلریٹر (accelerator) دباؤ اور اللہ کے راستے پر نکل پڑو۔ اس ایکسلریٹر کو تم جتنا بڑھاتے چلے جاؤ گے اسی نسبت سے تمہاری منزل قریب سے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔ (انسانی مزاج اور طبائع کے اعتبار سے مقامِ صِدّیقیت اور مقامِ شہادت کی تفصیل جاننے کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ مریم کی آیت ۴۱ کی تشریح۔)

﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ﴾ ’’اُن کے لیے ہوگا اُن کا اجر اور اُن کا نُور۔‘‘

انہیں اللہ ربّ العزت کے ہاں سے اجر بھی ملے گا اور نُور بھی۔ نُور تو میدانِ حشر میں پُل صراط سے گزرنے کے لیے ملے گا‘ جبکہ اجر جنّت میں داخلے اور اس میں درجات کی بلندی کے لیے ملے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾﴾ ’’اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی دوزخ والے ہیں۔‘‘

آیات ۲۰ تا ۲۴

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

آیت ۲۰ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ﴾ ’’خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل‘ دل لگی کا سامان اور ظاہری ٹیپ ٹاپ ہے اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش ہے۔‘‘

گزشتہ سطور میں دنیا کی محبّت کو گاڑی کی بریک سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حُبِّ دنیا انسان کو اللہ کے راستے پر چلنے سے ایسے روک دیتی ہے جیسے ایک گاڑی کو اس کی بریک جامد و ساکت کر دیتی ہے۔ اب اس آیت میں اس بریک یعنی حُبِّ دنیا کی اصل حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ تو آیئے اس آیت کے آئینے میں دیکھئے انسانی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟

انسانی زندگی کا آغاز کھیل کود (لعب) سے ہوتا ہے۔ بچپن میں انسان کو کھیل کود کے علاوہ کسی اور چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ باپ امیر ہے یا غریب‘ اس کا کاروبار ٹھیک چل رہا ہے یا مندے کا شکار ہے‘ بچے کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا‘ اسے تو کھیلنے کودنے کا موقع ملتے رہنا چاہیے اور بس۔ پھر جب وہ لڑکپن کی عمر (teenage) کو پہنچتا ہے تو اس کا کھیل کود محض ایک معصوم مشغولیت تک محدود نہیں رہتا‘ بلکہ اس میں کسی نہ کسی حد تک تلذّذ (sensual gratification) کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس مشغولیت کو آیت میں **لَھْو** کا نام دیا گیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ عام طور پر قرآن میں انسان کی دنیوی زندگی کی حقیقت بیان کرنے کے لیے **لَھْو و لَعب** کی ترکیب استعمال ہوئی ہے‘ لیکن یہاں ان الفاظ کی ترتیب بدل دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں عمر کی تقسیم کے حساب سے انسانی زندگی کے مراحل کا ذکر ہو رہا ہے اور اس حوالے سے **لَعب** یعنی کھیل کود کا مرحلہ پہلے آتا ہے جبکہ اس میں **لَھْو** کا عنصر بعد کی عمر میں شامل ہوتا ہے۔

جوانی کی اسی عمر میں انسان پر اپنی شخصیت کی ظاہری ٹیپ ٹاپ (زِیْنَۃ) کا جنون سوار ہوتا ہے۔ عمر کے اس مرحلے میں وہ شکل وصورت کے بناؤ سنگھار‘ ملبوسات وغیرہ کی وضع قطع‘ معیار اور فیشن کے بارے میں بہت حساس ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد جب عمر ذرا اور بڑھتی ہے تو **تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ** کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کا چوتھا اور اہم ترین مرحلہ ہے۔ اس عمر میں انسان پر ہر وقت تفاخر کا بھوت سوار ہوتا ہے‘ اور وہ عزّت‘ شہرت‘ دولت‘ گھر‘ گاڑی وغیرہ کے معاملے میں خود کو ہر قیمت پر دوسروں سے برتر اور آگے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد جب عمر ذرا ڈھلتی ہے تو **تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ** کا دور آتا ہے۔ اس دور میں انسان کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ تفاخر کے دور میں تو سوچ یہ تھی کہ کچھ بھی ہو جائے مونچھ نیچی نہیں ہونی چاہیے‘ لیکن اب سوچ یہ ہے کہ مال آنا چاہیے‘ مونچھ رہے یا نہ رہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس عمر میں پہنچ کر انسان اپنے مفاد کے معاملے میں بہت حقیقت پسند (realistic) ہو جاتا ہے‘ بلکہ جوں جوں بڑھاپے کی طرف جاتا ہے‘ اس کے دل میں مال و دولت کی ہوس بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ

کہ ایک مرحلے پر اُسے خود بھی محسوس ہو جاتا ہے کہ اب وہ پاؤں قبر میں لٹکائے بیٹھا ہے‘ مگر اس کی **ھَلْ مِنْ مَّزِیْد** کی خواہش ختم ہونے میں نہیں آتی۔ انسان کی اسی کیفیت کو سورۃ التکاثر میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲﴾ ’’(لوگو!) تم کو (مال کی) کثرت کی طلب نے غافل کر دیا‘ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔‘‘

بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی ترجیحات بدلتی رہتی ہیں‘ لیکن عمر کے ہر مرحلے میں کسی ایک چیز کی دُھن اس کے ذہن پر سوار رہتی ہے۔ اس موضوع پر یہ قرآن حکیم کی واحد آیت ہے اور اس اعتبار سے بہت اہم اور منفرد ہے‘ مگر حیرت ہے کہ انسانی زندگی کے نفسیاتی مراحل کے طور پر اسے بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے۔

آیت کے اگلے حصّے میں انسانی اور نباتاتی زندگی کے مابین پائی جانے والی مشابہت اور مماثلت کا ذکر ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے کہ نباتاتی سائیکل (Botanical cycle) اور انسانی زندگی کے سائیکل (Human life cycle) دونوں میں بڑی گہری مشابہت اور مناسبت ہے۔ اس تشبیہہ سے انسان کو دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر تم اپنی زندگی کی حقیقت سمجھنا چاہتے ہو تو کسان کی ایک فصل کے سائیکل کو دیکھ لو۔ اس فصل کے دورانیہ میں تمہیں اپنی پیدائش‘ جوانی‘ بڑھاپے‘ موت اور مٹّی میں مل کر مٹّی ہو جانے کا حقیقی نقشہ نظر آ جائے گا۔

﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ﴾ ’’(انسانی زندگی کی مثال ایسے ہے) جیسے بارش برستی ہے تو اس سے پیدا ہونے والی روئیدگی کسانوں کو بہت اچھی لگتی ہے‘‘

﴿ثُمَّ يَهِيْجُ﴾ ’’پھر وہ کھیتی اپنی پوری قوت پر آتی ہے‘‘

﴿فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا﴾ ’’پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو جاتی ہے‘‘

﴿ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ﴾ ’’پھر وہ کٹ کر چُورا چُورا ہو جاتی ہے۔‘‘

اس تشبیہہ کے آئینے میں انسانی زندگی کی مکمل تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ پھر وہ جوان ہو کر اپنی پوری قوت کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر عمر ڈھلتی ہے تو بالوں میں سفیدی آ جاتی ہے اور چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ پھر موت آنے پر اسے زمین میں دبا دیا جاتا ہے جہاں وہ مٹّی میں مل کر مٹّی ہو جاتا ہے۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تشبیہہ

صرف دنیوی زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہے۔ تم اشرف المخلوقات ہو‘ نباتات نہیں ہو‘ تمہاری اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جو کہ دائمی اور ابدی ہے اور اس کی نعمتیں اور صعوبتیں بھی دائمی اور ابدی ہیں۔ لہٰذا عقل اور سمجھ کا تقاضا یہی ہے کہ تم اپنی آخرت کی فکر کرو۔

﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ﴾ ’’اور آخرت میں بہت سخت عذاب ہے اور (یا پھر) اللہ کی طرف سے مغفرت اور (اُس کی) رضا ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے ابتدائی دور کا ایک خطبہ ’’نہج البلاغہ‘‘ میں نقل ہوا ہے۔ اس کے اختتامی الفاظ یوں ہیں:

((... ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ، ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَ بِالسُّوْءِ سُوْءً، وَاِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا))[۳]

’’.....پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور پھر لازماً تمہیں بدلہ ملے گا اچھائی کا اچھا اور بُرائی کا بُرا۔ اور وہ جنّت ہے ہمیشہ کے لیے یا آگ ہے دائمی۔‘‘

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰﴾ ’’اور دنیا کی زندگی تو سوائے دھوکے کے ساز و سامان کے اور کچھ نہیں ہے۔‘‘

تمہاری دنیوی زندگی کی حقیقت تو بس یہی ہے‘ لیکن تم ہو کہ اس حقیقت کو فراموش اور نظر انداز کیے بیٹھے ہو۔ تمہارے دل میں نہ اللہ کی یاد ہے اور نہ آخرت کی فکر۔ بس تم اس عارضی اور دھوکے کی زندگی کی آسائشوں میں مگن اور اسی کی رنگینیوں میں گم ہو۔ یاد رکھو! یہ طرزِ عمل غیروں کی پہچان تو ہو سکتا ہے‘ ایک بندۂ مؤمن کے ہرگز شایانِ شان نہیں ہے۔ بقول علّامہ اقبال: ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں ہیں آفاق!

آیت ۲۱ ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ﴾ ’’ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے۔‘‘

۳۔ بحوالہ جمھرۃ الخطب‘ ص ۵۔ وفقہ السیرۃ للالبانی‘ ص ۹۷۔

دنیا کمانے میں تو تم لوگ خوب مسابقت کر رہے ہو۔ اس میدان میں تو تم ہر وقت ع ’’ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!‘‘ کی فکر میں لگے رہتے ہو۔ عارضی دنیا کی اس مسابقت کو چھوڑو‘ اپنی یہی صلاحیتیں اللہ کی رضا اور جنّت کے حصول کے لیے صَرف کرو۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرو اور اس منزل میں بہتر سے بہتر مقام پانے کے لیے دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔

جنّت کی وسعت کی مثال کے لیے یہاں ’’كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ‘‘ جبکہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۳۳ میں ’’عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ‘‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ موجودہ دور میں سائنس کی حیرت انگیز ترقّی کے باوجود ابھی تک ارض و سماء کی وسعت کے بارے میں انسان کا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہرحال اب تک میسّر ہونے والی معلومات کے مطابق اس کائنات میں ارب ہا ارب کہکشائیں ہیں۔ ہر کہکشاں کی وسعت اور ایک کہکشاں سے دوسری کہکشاں کے فاصلے کو کروڑوں نُوری سالوں پر محیط تصوّر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہر کہکشاں میں اَن گنت ستارے‘ ہمارے نظامِ شمسی (solar system) جیسے بے شمار نظام اور ہماری زمین جیسے لاتعداد سیارے ہیں۔ اسی طرح ہر ستارے کی جسامت اور ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک کے فاصلے کا اندازہ بھی نُوری سالوں میں کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اس آیت میں آسمان اور زمین کی وسعت سے مراد پوری کائنات کی وسعت ہے جس کا اندازہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ بہرحال اس مثال سے جنّت کی وسعت کے تصوّر کو انسانی ذہن کی سطح پر ممکن حد تک قابلِ فہم بنانا مقصود ہے۔ اس حوالے سے میرا گمان یہ ہے (واللہ اعلم!) کہ قیامت برپا ہونے کے بعد پہلی جنّت اسی زمین پر بنے گی اور اہلِ جنّت کی ابتدائی مہمانی (نُزُل) بھی یہیں پر ہوگی۔ اس کے بعد اہلِ جنّت کے درجات و مراتب کے مطابق ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے۔ اس حوالے سے سورۃ الاعراف کی اس آیت میں واضح فرما دیا گیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ (آیت ۴۰) کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے اور ان کے بارے میں تکبّر کرنے والوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ بہرحال اس کے بعد اہلِ جنّت کو ان کے مراتب کے مطابق اُس جنّت میں منتقل کر دیا جائے گا جس کی وسعت کا یہاں ذکر ہوا ہے۔ اہلِ جنّت کو وہاں جانے کے لیے کسی راکٹ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی‘ بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں اسی انداز سے

آسمانوں پر لے جائے گا جیسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ سفرِ معراج میں زمین سے ساتویں آسمان تک چلے گئے تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ساتویں آسمان سے زمین پر آتے ہیں۔

﴿اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ﴾ ''وہ تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر۔''

''اِعداد'' (بابِ افعال) کے معنی ہیں کسی خاص مقصد کے لیے کسی چیز کو تیار کرنا۔ یعنی وہ جنّت بڑے اہتمام سے تیار کی گئی ہے' سجائی اور سنواری گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾﴾

''یہ اللہ کا فضل ہے جس کو بھی وہ چاہے گا دے گا۔ اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔''

''فَضْل'' سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر استحقاق کے دی جانے والی شے۔ اس کے بالمقابل اجرت اور اجر کے الفاظ عام استعمال ہوتے ہیں' جن کا مطلب ہے بدلہ' جو کسی محنت اور مزدوری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں بالعموم جہاں بھی جنّت کا تذکرہ آیا ہے وہاں لفظ ''فَضْل'' استعمال ہوا ہے۔ گویا قرآن مجید کا تصوّر یہ ہے کہ انسان مجرد اپنے عمل کے ذریعے سے جنّت کا مستحق نہیں بن سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اُس کی دست گیری نہ کرے۔ (۴)

اب اگلی آیت میں دنیوی زندگی میں پیش آنے والی تکالیف و مشکلات کو قابلِ برداشت

۴۔ اس ضمن میں یہ حدیث بھی ذہن میں رہنی چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: ((لَنْ يُدْخِلَ اَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ)) ''تم میں سے کسی شخص کا عمل اسے ہرگز جنّت میں داخل نہیں کرے گا (جب تک کہ اللہ کی رحمت اس کی دستگیری نہ فرمائے)''۔ اب کسی صحابی نے بڑی ہمت' حوصلے اور جرأت سے کام لیتے ہوئے پوچھ لیا: وَلَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپؐ بھی (اعمال کی بنیاد پر جنّت میں داخل نہیں ہو سکتے)؟'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا وَلَا اَنَا' اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَّرَحْمَةٍ)) ''نہیں' میں بھی نہیں' اِلّا یہ کہ اللہ عزّ و جل اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت کی چادر سے مجھے ڈھانپ دے۔''

[صحيح البخاري' كتاب المرضى' باب تمنى المريض الموت' ح: ۵۶۷۳۔
وصحيح مسلم' كتاب صفة القيامة والجنة والنار' باب لن يدخل احد الجنة بعمله...' ح: ۲۸۱۸] (حاشیہ از مرتّب)

بنانے کا نسخہ بتایا جا رہا ہے۔ دراصل اہلِ ایمان کو جس راستے کی طرف بلایا جا رہا ہے وہ بہت کٹھن اور صبر آزما راستہ ہے۔ یہ انفاق' جہاد اور قتال کا راستہ ہے اور اس کی منزل ''اقامتِ دین'' ہے' جس کا ذکر آگے آیت ۲۵ میں آ رہا ہے۔ اس اعتبار سے آیت ۲۵ اس سورت کے ذروۂ سنام (climax) کا درجہ رکھتی ہے۔ بہرحال اہلِ ایمان جب اس راستے پر گامزن ہوں گے تو آزمائشیں' صعوبتیں اور پریشانیاں قدم قدم پر ان کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کریں گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ (آیت ۱۵۵) ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے''۔ جبکہ سورۂ آل عمران میں اس قانون کا ذکر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ﴾ (آیت ۱۸۶) ''(مسلمانو! یاد رکھو) تمہیں لازماً آزمایا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی' اور تمہیں لازماً سننا پڑیں گی بڑی تکلیف دہ باتیں ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا''۔ چنانچہ مشکلات و مصائب کی اس متوقع یلغار کے دوران اہلِ ایمان کو سہارا دینے کے لیے یہ نسخہ بتایا جا رہا ہے:

آیت ۲۲ ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ﴾ ''نہیں پڑتی کوئی پڑنے والی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری اپنی جانوں میں مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں درج ہے' اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر کریں۔''

اَصَابَ يُصِيْبُ (آ پڑنا' نازل ہونا) سے اسم الفاعل ''مُصِيْب'' ہے اور اس کی مؤنث ''مُصِيْبَة'' ہے' جس کے معنی ہیں نازل ہونے یا آ پڑنے والی شے۔ چنانچہ لغوی اعتبار سے تمام حوادث' واقعات' کیفیات جو ہم پر وارد ہوتی ہیں' وہ سب کی سب اس میں شامل ہو جائیں گی' لیکن عام طور پر یہ لفظ تکلیف دہ' ناگوار اور ناپسندیدہ چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت کی رو سے مصیبتیں دو قسم کی ہیں۔ یا تو آفاتِ ارضی و سماوی یعنی آفاقی مصیبتیں' جو زمین پر بڑے پیمانے پر نازل ہوتی ہیں' مثلاً سیلاب' زلزلے' طوفانِ باد و باراں وغیرہ' یا انسانوں کی اپنی

جانوں پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے‘ مثلاً کوئی بیماری یا کوئی عارضہ لاحق ہو گیا یا کوئی حادثہ پیش آ گیا۔ یہاں واضح فرما دیا گیا کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی انسانوں پر اجتماعی یا انفرادی طور پر کسی بھی شکل میں کوئی مصیبت‘ آفت یا تکلیف آتی ہے اس کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل اس کی پوری تفصیل اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں پہلے سے موجود ہوتی ہے۔

﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾﴾ ’’یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔‘‘

انسانوں کو یہ بات بے شک عجیب یا مشکل لگے‘ مگر اللہ کا علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ پر محیط ہے۔ اس کے لیے کائنات کی ایک ایک چیز کا پوری تفصیل سے احاطہ کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ یہ بات تم لوگوں کو بھلا کیوں بتائی جا رہی ہے؟ اس لیے:

آیت ۲۳ ﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ﴾ ’’تاکہ تم افسوس نہ کیا کرو اُس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے‘‘

کوئی اچھا موقع ہاتھ سے نکل جانے پر انسان رہ رہ کر افسوس کرتا اور پچھتاتا ہے کہ اگر میں اس وقت یوں کر لیتا تو میرا یہ کام ہو جاتا‘ اگر فلاں شخص فلاں وقت فلاں رکاوٹ کھڑی نہ کر دیتا تو میں فلاں نقصان سے بچ جاتا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے پچھتاوے بعض اوقات زندگی کا روگ بن جاتے ہیں۔ لیکن اگر اللہ اور اُس کے فیصلوں پر انسان کا ایمان مضبوط ہو تو وہ اپنے بڑے سے بڑے نقصان کو بھی یہ کہہ کر بھلا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے حق میں ایسا ہی منظور تھا اور اس چیز کے میرے ہاتھ سے نکل جانے میں ہی خیر تھی‘ کیونکہ میرے لیے کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں ہے اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ سورۃ البقرۃ کی یہ آیت اس بارے میں بہت واضح ہے:

﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾﴾

’’اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو‘ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے‘ تم نہیں جانتے۔‘‘

﴿وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿٢٣﴾﴾ ’’اور اس پر اِترایا نہ کرو جو وہ تمہیں دے دے‘ اور اللہ کو بالکل پسند نہیں ہیں اِترانے والے اور فخر کرنے والے۔‘‘

ایسی کسی صورت میں انسان کے لیے اترانے کا جواز اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جو کچھ بھی دیا جاتا ہے دراصل اس کی آزمائش کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ہمیں اس حقیقت کو کسی وقت بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس دنیا میں ہمیں جو نعمت‘ صلاحیت یا دولت ملتی ہے اس کے لیے ہمیں جواب دہ ہونا ہے۔ چنانچہ جس انسان کے پاس دُنیوی نعمتوں کی جس قدر بہتات ہو گی جوابدہی کے حوالے سے اس کی ذِمّہ داری بھی اسی حد تک بڑھ جائے گی۔ اکاؤنٹس کی زبان میں ایسی ذِمّہ داری کو liability کہا جاتا ہے۔ جب کسی محکمے یا ادارے کی balance sheet تیار ہوتی ہے تو اس ادارے کو ملنے والا سرمایہ liability کے کھاتے میں لکھا جاتا ہے۔ کھاتے میں liability کا اندراج ہو جانے کے بعد اس کی ایک ایک پائی کا حساب دینا اس ادارے کی ذِمّہ داری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں جو کچھ دیتا ہے وہ اس کے ذِمّہ liability ہے۔ کل قیامت کے دن اس میں سے ہر چیز کا آڈٹ ہونا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھے گا کہ تمہیں جو مال دیا گیا تھا بتاؤ اس کا تم نے کیا کیا؟ میری طرف سے دی گئی قوت‘ ذہانت اور دوسری صلاحیتوں کو کہاں کہاں صَرف کیا؟ دنیا بنانے میں کھپایا یا آخرت کمانے میں لگایا؟ اس احتساب یا آڈٹ کا تصوّر کر کے ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے کھاتے کی فکر کرنی چاہیے۔ جیسے آج ہمارے بہت سے لوگ ورلڈ بینک‘ آئی ایم ایف اور بین الاقوامی سطح کے دوسرے اداروں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور لاکھوں ڈالر تنخواہ وصول کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک یقیناً یہ بہت بڑے اعزاز اور فخر کی بات ہے‘ لیکن ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس کی چاکری کر رہے ہیں؟ اور کس کی رتھ میں گھوڑے بن کر جتے ہوئے ہیں؟ ظاہر ہے وہ باطل نظام کی خدمت کر رہے ہیں اور اسی نظام سے اپنی خدمت کا معاوضہ وصول کر رہے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ آخرت کے آڈٹ کے وقت وہ اپنی balance sheet کو کیسے justify کریں گے۔

چنانچہ انسان کو مال و دولت اور دوسری نعمتوں پر اترانے کے بجائے ان کے حساب کتاب کی فکر کرنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ چیزیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر دی گئی ہیں۔ اگر وہ اس آزمائش میں ناکام ہو گیا تو یہی نعمتیں آخرت میں اُس کے گلے کا طوق بن جائیں گی۔ اس حوالے سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بہت عبرت انگیز ہے۔ آپؒ کو خلیفۂ وقت کی طرف سے ’’خلقِ قرآن‘‘ کے مسئلے پر جیل میں ڈالا گیا۔ خلیفہ آپؒ سے اپنی مرضی کا

فتویٰ حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے خلیفہ کے حکم پر جیل میں آپؒ پر بے پناہ تشدد ہوا۔ روایات میں آتا ہے کہ جس انداز میں آپؒ کو پیٹا جاتا تھا ایسی مار کسی ہاتھی کو پڑتی تو وہ بھی بلبلا اٹھتا' مگر اس بے رحم تشدد کو آپؒ نے ایسے حوصلے اور صبر سے برداشت کیا کہ کبھی آنکھوں میں آنسو تک نہ آئے۔ مگر جب نئے خلیفہ کے دور میں آپؒ کو جیل سے رہا کیا گیا اور خلیفہ کے ایلچی آپؒ کی خدمت میں اشرفیوں کے تھیلے لے کر حاضر ہوئے تو ان تھیلوں کو دیکھ کر آپؒ رو پڑے۔ آپؒ نے روتے ہوئے اللہ کے حضور عرض کی: اے اللہ' یہ آزمائش بہت سخت ہے! مَیں اس سے عہدہ برآ ہونے کے قابل نہیں ہوں' مجھے اس امتحان میں مت ڈال! اس حوالے سے دوسری انتہا پر برصغیر کے قوم فروشوں کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں انگریزوں نے بڑی بڑی جاگیروں' عہدوں اور خطابات کے ذریعے یہاں کے لوگوں کو خریدا اور حکمرانوں کے ہاتھوں بکنے کے بعد وہ لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے اپنے آقاؤں کی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے جِدّوجُہد کرتے رہے۔ بہرحال یہ ہر انسان کا اپنا فیصلہ ہے کہ اس کی ترجیح دنیا ہے یا آخرت؟

آیت ۲۴ ﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ﴾ ''جو لوگ بخل سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں۔''

جو شخص اپنی دولت پر اِتراتا ہے وہ اسے بہت سنبھال سنبھال کر بھی رکھتا ہے' کیونکہ اسی دولت کے بل پر تو اس کی اکڑ قائم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اس دولت کو بچا بچا کر رکھتا ہے اور نہ صرف خود بخل سے کام لیتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ دراصل اسے یہ اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ جب دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر خرچ کریں گے تو اُس کے بخل کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اس لیے وہ دوسروں کو بڑے مخلصانہ انداز میں سمجھاتا ہے کہ میاں ذرا اپنی ضروریات کا بھی خیال رکھو' تم نے تو اپنے دونوں ہاتھ کھلے چھوڑ رکھے ہیں۔ آخر تمہاری چار بیٹیاں ہیں' ان کے ہاتھ بھی تم نے پیلے کرنے ہیں۔ آج کی بچت ہی کل تمہارے کام آئے گی.....!

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۴﴾ ''اور جو کوئی رخ پھیرے گا تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں خود ستودہ صفات ہے۔''

وہ غنی ہے' اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر وہ اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں اپنے جان و مال سے شریک نہ ہوگا تو یہ کام نہیں ہوگا۔ اُسے کسی کی حمد و ثنا کی بھی کوئی احتیاج نہیں ہے' وہ اپنی ذات میں خود محمود ہے۔ ❁❁❁

قانونِ اسلامی کے مستقل مآخذ

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

موضوع کا تعارف

آپ کے سامنے اس وقت ایک قرطاس (diagram) موجود ہے (ملاحظہ ہو زیرِ نظر شمارے کا صفحہ ۹۹)۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ غالباً آج سے کوئی دس سال قبل مَیں نے خود اپنے ذہن کو واضح کرنے کے لیے بڑی محنت سے ایک ڈایاگرام بنائی تھی کہ ہمارے ہاں قانونِ اسلامی کے جو مآخذ مانے جاتے ہیں‘ ان کی مختلف مکاتب فکر کے ہاں کیا حیثیت سمجھی جاتی ہے۔ مختلف مکاتبِ فکر سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر مسلمانوں کے نام سے موجود ہیں۔ ان میں وہ متجدّد دین بھی ہیں جو بہت زیادہ آسانی یا آزادی چاہتے ہیں اور بہت کم حدود و قیود اور پابندیوں کو گوارا کرنا چاہتے ہیں۔ کس کے نزدیک کون کون سے مآخذ ابدی اہمیت کے حامل ہیں اور کون کون سے ایسے ہیں کہ جن کی حیثیت صرف اپنے وقتی زمانے کے لحاظ سے تھی‘ وہ ابدی نوعیت کے نہیں ہیں۔ ان کی صحیح صحیح تشخیص ہو جائے اور ان کے مابین اصل فرق mathematical انداز میں سامنے آ جائے۔

پھر ایسا ہوا کہ مجھے یہاں سٹاف کالج میں اجتہاد کے موضوع پر تقریر کے لیے بلایا گیا۔ وہاں مجھے اپنی تقریر کے لیے اس ڈایاگرام سے بڑی مدد مل گئی اور مَیں بڑی سہولت کے ساتھ اپنی بات واضح کر سکا۔ پھر اسی موضوع کو مَیں نے اپنے خطاباتِ جمعہ میں بھی بیان کیا۔ یہ بات لوگوں نے پسند کی اور محسوس ہوا کہ اس سے ہمارے اپنے بہت سے عقدے حل ہوئے ہیں اور ہمارا ذہن اس معاملے میں واضح ہوا ہے۔

اس مرتبہ جب اس موضوع پر اظہارِ خیال کا موقع مل رہا ہے تو مَیں نے سوچا کہ اس کے حوالے سے میں کچھ مزید باتیں بھی واضح کر دوں۔ خاص طور پر حال ہی میں جو میرا

ذہن ایک خاص مسئلے (issue) پر معیّن ہو گیا ہے‘ اسے میں امانتاً آپ تک منتقل کر دینا چاہتا ہوں۔ اس کے ضمن میں چونکہ میری کچھ مختلف آراء بھی لوگوں کے سامنے آتی رہی ہیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں الجھاؤ بھی موجود ہے‘ تو مَیں نے محسوس کیا کہ اس بارے میں میرا ذہن جس آخری نتیجے تک پہنچا ہے وہ آپ کے سامنے رکھ دوں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اسلامی قانون کے مستقل مآخذ چار ہیں:

(۱) قرآن (۲) سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۳) اجماع (۴) قیاس

(مراد: اجماعِ دورِ خلافت راشدہ)

(۱) قرآن

اس ڈایاگرام میں درمیان میں سرخ لائن قرآن کو represent کر رہی ہے۔ یہ لائن ایک حد تک پوری ہے اور پھر یہ dotted ہو جاتی ہے۔ پوری لائن سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو قرآن کو کُل کا کُل تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ابدی ہے‘ اِلّا یہ کہ خود قرآن مجید ہی کی کسی آیت نے کسی دوسری آیت کو جزوی یا کُلّی طور پر منسوخ کر دیا ہو۔ یہ معاملہ exceptions میں رہے گا۔ چنانچہ ایسے لوگ قرآن مجید کو واقعتاً جیسا کہ وہ ہے (اس کی interpretation کا معاملہ علیحدہ ہو جائے گا)‘ اس کے الفاظ کو من وعن قبول کرتے ہیں کہ یہ دائمی ہیں اور ہمیشہ کے لیے واجب التعمیل (binding) ہیں۔ مذاہب کی دنیا میں ایک تصوّر ’’وحی بالمعنیٰ‘‘ کا بھی ہے۔ مثلاً بائبل کے بارے میں یہ تصوّر ہے کہ وہ ’’وحی باللفظ‘‘ (verbal revelation) نہیں ہے‘ بلکہ ایک مفہوم ہے جو نازل ہوا‘ اور جن پر وہ نازل ہوا انہوں نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ لیکن قرآن کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ یہ اپنے انہی الفاظ کے ساتھ وحی کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ وحی باللفظ ہے‘ صرف وحی بالمعنیٰ نہیں ہے۔

(۲) سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ڈایاگرام میں نیلی لائن سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو represent کر رہی ہے۔ یہ بھی نیچے سے پوری ہے اور اوپر سے dotted ہے۔ یعنی کچھ لوگوں کے نزدیک سُنّت کی حیثیت دائمی

نہیں ہے' بلکہ یہ ایک خاص وقت تک کے لیے بائنڈنگ تھی (ہمیشہ ہمیش کے لیے نہیں)۔ اُن کا موقف اِس dotted line کے ذریعہ سامنے آئے گا۔

۳۔اجماع

تیسری چیز اجماع ہے۔ یہاں اجماع سے مراد خلافتِ راشدہ کا اجماع ہے۔ اس لیے کہ خلافت راشدہ تک مسلمانوں کے اندر ابھی سیاسی تقسیم موجود نہ تھی کہ ملک علیحدہ علیحدہ ہوں۔ خاص طور پر پہلے تین خلفاء (حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کے دور میں جو اجماع ہو گیا تو وہ پوری اُمّت کا اجماع سمجھا جائے گا۔ اُس وقت اُمّت متحد تھی اور ایک وحدت کی حیثیت سے تھی' لہٰذا اُس اجماع کو گویا اُمّت نے قبول کر لیا۔ چنانچہ یہ بھی اسلامی قانون کا ایک مستقل ماخذ ہو گیا۔ ڈایاگرام میں اسے سبز لائن سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس میں dotted حصّہ بھی ہے۔

۴۔قیاس

ڈایاگرام میں پیلا رنگ قیاس کے لیے ہے۔[1]

اس طرح اسلامی قانون کے مآخذ (Sources of IslamicLaw) چار ہو گئے۔

مختلف مکاتبِ فکر کا جائزہ

(۱) متجددین

ڈایاگرام میں بائیں طرف دیکھیں۔ ہمارے ہاں ایک مکتبِ فکر متجددین کا ہے' جس کے خیال میں قرآن بھی پورے کا پورا ابدی طور پر بائنڈنگ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک قرآن سے بھی ہمیں صرف اصول لینے ہیں' جب کہ تفاصیل اور specifics صرف اُس معاشرے کے لیے تھیں جہاں قرآن نازل ہوا۔ ان کا موقف ہے کہ قرآن سے اصول اور بنیادی اخلاقی تعلیمات لے لیجیے۔ باقی جو بھی specifics ہیں' مثلاً کسی معاملے میں خاص

(۱) کسی غیر منصوص مسئلے کا علّت کے اعتبار سے منصوص مسئلہ کے مساوی ہونے کو قیاس کہا جاتا ہے۔
اصطلاحی معنی: ''فروع'' و ''اصل'' کا حکم منصوص کی علّتِ مستنبطہ میں مساوی ہو جانا قیاس ہے۔

فیصلہ کیا گیا' وہ ابدی نہیں ہے۔ قرآن سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ چوری بُری شے ہے اور چوری نہیں ہونی چاہیے' لیکن اس کے لیے جو ایک معیّن حد آ گئی ہے یہ ابدی نہیں ہے۔

(۲) اہلِ قرآن یا منکرینِ سُنّت

یہ لوگ قرآن کے کُل کے کُل کو تو واجب الاتباع (binding) مانتے ہیں' لیکن سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے زمانے میں واجب الاتباع اور واجب الاطاعت مانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت اِن کے نزدیک اپنے زمانے میں ''مرکزِ ملّت'' یعنی مسلمانوں کے صاحبِ امر کی تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اُس وقت واجب التعمیل تھا۔ بحیثیت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے احکام وہی سمجھے جائیں گے جو قرآن میں آ گئے ہیں۔ ان کا جو اطلاق (application) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے میں کیا' جس شکل میں کیا' اس میں اپنے زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ چیز ہمیشہ کے لیے واجب التعمیل نہیں ہے۔ یہ موقف اُن کا ہے جو ہمارے ہاں ''اہلِ قرآن'' کہلاتے ہیں یا جنہیں منکرینِ سُنّت کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل میں تو اطاعت اللہ کی ہے' جب کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اُس وقت کے صاحبِ امر ہونے کی حیثیت سے تھی اور یہ معاملہ اُن کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اب یہ ہمیشہ کے لیے اسلامی قانون کا ماخذ نہیں ہے۔

اسی فرقہ میں سے غلام احمد پرویز صاحب تھے۔ وہ اپنے رسالہ ''طلوعِ اسلام'' کے ہر شمارے کے ٹائٹل پر ایک حدیث ضرور دیتے تھے۔ یہ حدیثیں وہ ہوتیں جو اخلاقی نوعیت کی ہیں اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ یہ تو مابہ النزاع نہیں ہیں۔ البتہ وہ احادیثِ مبارکہ جن کی اہمیت قانونی اعتبار سے ہے' جن کے نتیجے میں کوئی چیز فرض یا واجب قرار پاتی ہے یا مکروہ تحریمی قرار پاتی ہے' ایسی احادیث ان کے نزدیک صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے زمانے میں واجب الاطاعت تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بھی اولوالامر ہو گا اُس کی حیثیت ''مرکزِ ملّت'' کی ہو گی اور اسے قرآن مجید کی تعبیر و توضیح (interpretation) کا پورا اختیار حاصل ہو گا۔ قرآن کے الفاظ تو اُسے اپنے سامنے رکھنے ہوں گے' لیکن متن قرآنی کی عملی تعبیر کا اسے پورا حق ہو گا اور اس کے لیے وہ سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابند نہیں ہو گا۔ یہ موقف

ہے اہلِ قرآن یا منکرینِ سُنّت کا۔

یہ دونوں موقف ''ضَلُّوا ضَلٰلًا بَعِیدًا'' کا مصداق ہیں۔ گویا صراطِ مستقیم سے بہت دُور نکل گئے۔

(۳) اہلِ حدیث یا سلفی حضرات

اِن کے نزدیک قرآن بھی اَبدی طور پر واجب التعمیل (binding) ہے اور سُنّتِ رسول ﷺ بھی، لیکن خلافتِ راشدہ کے دور میں ہونے والا اجماع ابدی نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک بڑا ہی خوبصورت لفظ مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال کیا تھا جب ایک دفعہ میری اُن سے گفتگو ہو رہی تھی، کہ یہ "executive orders" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی ایک وقت میں اُس صاحبِ امر نے جو بات صحیح سمجھی، اُس کا حکم دے دیا۔ وہ حکم اُس کے عہد (tenure) میں تو واجب الاطاعت تھا، لیکن وہ ہمیشہ کے لیے بائنڈنگ نہیں ہے۔ گویا جو موقف سُنّتِ رسول ﷺ کے بارے میں منکرینِ سُنّت کا ہے وہی موقف اجماع کے بارے میں اہلِ حدیث حضرات کا ہے۔ منکرینِ سُنّت کے نزدیک سُنّتِ رسول ﷺ صرف اپنے وقت کے لیے واجب التعمیل تھی، مستقلاً نہیں ہے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک اصول کے طور پر سُنّتِ رسول ﷺ تو ہمیشہ کے لیے بائنڈنگ ہے، لیکن دورِ خلافتِ راشدہ کے اجتہادات کی حیثیت ابدی نہیں ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں کسی نے کوئی اجتہاد کیا اور وہ نافذ ہو گیا تو گویا اُس وقت کی اُمّت نے اسے قبول کر لیا۔ جب اسے قبولِ عام حاصل ہو گیا تو گویا وہ اب اجماع کی شکل بن گئی۔ لیکن وہ اجماع ان کے اپنے دور میں ہی واجب التنفیذ تھا، ابدی نہیں ہے۔

اسی میں جوڑ لیجیے شیعہ حضرات کو بھی۔ خلافت راشدہ کو تو وہ تسلیم ہی نہیں کرتے، وہ اس خلافت کو غاصب خلافت سمجھتے ہیں۔ البتہ اس معاملے میں (عقائد کے اختلاف کے باوجود) عملی اعتبار سے شیعہ حضرات اور اہلِ حدیث کا موقف ایک ہی ہے کہ خلفائے راشدین کے اجتہادات کی حیثیت اپنے وقت میں اولوالامر کے انتظامی احکام (executive orders) کی تھی، وہ ہمیشہ کے لیے واجب التعمیل نہیں۔ لہٰذا وہ قانونِ اسلامی کا مستقل ماخذ نہیں ہے۔

البتہ یہاں اہلِ حدیث اور اہلِ تشیع میں اس اعتبار سے فرق ہو جائے گا کہ اہلِ تشیع سُنّت میں بھی اُن احادیث کو تسلیم کرتے ہیں جو ائمہ اہلِ بیت سے اُن کو ملی ہیں، باقی صحابہؓ کی مرویات کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ اہلِ حدیث کا معاملہ یہ نہیں ہے۔

اسی سے طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے، یعنی ایک مجلس میں تین طلاقوں کا دینا اور تینوں کا نافذ ہو جانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے اس کی تنفیذ کی تھی، لیکن اس کو نہ شیعہ مانتے ہیں نہ اہلِ حدیث۔ اسی طرح تراویح کا معاملہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جو نظام بنایا تھا، اہلِ حدیث اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کے طرزِ عمل میں باجماعت تراویح پورے مہینے کے لیے نہیں ہے، صرف تین دفعہ کے لیے ثابت ہے۔ مَیں یہاں اس مسئلے کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا کہ مجھے ان سے اِس معاملے میں کس کس پہلو سے اختلاف ہے۔ البتہ مَیں چاہتا ہوں کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ان اختلافات کی بنیاد کیا ہے۔ اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک قرآن بھی ابدی ہے اور سُنّتِ رسولؐ بھی ابدی، ہمیشہ ہمیش کے لیے واجب التعمیل، لیکن خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اجتہادات (چاہے ان پر اُمّت کا اجماع بھی ہو گیا ہو) وقتی executive orders اور انتظامی احکام تصوّر کیے جائیں گے۔ وہ قانونِ اسلامی کا مستقل ماخذ نہیں ہیں۔ البتہ خلفائے راشدین برحق تھے، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) اہلِ سُنّت والجماعت

''اہلِ سُنّت'' میں تو سب ہی آتے ہیں، خواہ وہ اہلِ حدیث ہوں یا حنفی، مالکی، حنبلی یا شافعی۔ لیکن اس اصطلاح میں لفظ ''الجماعت'' کا جو اضافہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے اجماع کو بھی وہ واجب التعمیل مانتے ہیں، یعنی دورِ خلافتِ راشدہ کا اجماع اب ہمیشہ کے لیے حجّت ہے۔ گویا یہ قانونِ اسلامی کا تیسرا مستقل ماخذ (source) ہے۔ چنانچہ اہلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک اسلامی قانون کے مستقل مآخذ میں شامل ہیں: قرآن + سُنّت + اجماعِ خلافت راشدہ۔ اِجماع کا لفظ ''جمع'' سے ماخوذ ہے۔ یعنی اُس وقت (دورِ خلافتِ راشدہ میں) مسلمان اُمّت کا جو بھی ایک مجموعی فیصلہ ہوا، وہ اُسے مستقل

طور پر واجب التعمیل اور واجب التنفیذ مانتے ہیں۔ اس کی دلیل حضورِ اَقدس ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ہے جسے تمام محدّثین صحیح مانتے ہیں:

((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)) (سنن ابن ماجه' سنن الترمذی' سنن ابی داؤد)

''پس (میرے بعد) تم میرے طریقے کو اور ہدایت یاب خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا۔ اس کو اپنے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنا۔''

ایک حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے افتراقِ اُمّت کے دور میں فرقہ ناجیہ کے بارے میں بتایا کہ ((مَا اَنَا عَلَيهِ وَ اَصْحَابِیْ)) یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہؓ کے نقش قدم پر ہوں گے۔ (سنن الترمذی) چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ بھی اسلامی قانون کا ایک مستقل ماخذ ہے۔ یہ فرق ہو گیا اہلِ حدیث اور ہماری چار فقہوں کے مقلدین یا متبعین میں!

اجتہاد کی خصوصی اہمیت

اسلامی قانون کے مآخذ میں اجتہاد کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یعنی ان معاملات پر غور و فکر جو بعد میں اٹھے' جن کا کوئی حکم قرآن و سُنّت میں واضح نہیں ہے۔

جب حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تو سوال کیا: ((كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟)) ''جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ آئے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟'' انہوں نے عرض کیا: أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ ''میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ؟)) ''اگر تم (وہ معاملہ) کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟'' عرض کیا: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ''پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کی سُنّت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ)) ''اگر تمہیں (وہ معاملہ) اللہ کے رسول ﷺ کی سنّت میں بھی نہ ملے تو؟'' عرض کیا: أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو ''میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا۔'' (ابھی اجماع کا دور تو آیا ہی نہیں تھا) تو حضور ﷺ نے ان کا کاندھا تھپکا' شاباش دی اور فرمایا: ((الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ

رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللهِ)) ''اُس اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے رسول (قاصد) کو اُس چیز کی توفیق دی جس کے ذریعے وہ رسول اللہ ﷺ کو راضی کرتا ہے۔'' (یہ حدیث امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے۔)

چنانچہ سب سے پہلے قرآن ہے' پھر سُنّتِ رسول ﷺ اور اس کے بعد اجتہاد ہے۔ یہ اجتہاد جب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے کیا تو اُمّت ایک وحدت تھی اور نظام صحیح طور سے علیٰ منہاج النبوۃ قائم تھا۔ لہٰذا اُس اجتہاد کے بارے میں دو رائیں ہو گئیں۔ ایک یہ کہ یہ اجتہاد صرف اپنے وقت کے لیے نہیں تھا بلکہ ہمیشہ کے لیے نافذ العمل ہو گیا ہے' اور دوسری یہ کہ یہ صرف اپنے وقت کے لیے تھا۔

اس کے بعد جب اسلامی مملکت قائم ہو گئی اور نئے نئے معاملات اور مسائل سامنے آئے تو اب اجتہاد بڑے پیمانے پر ہوا۔ مجتہدین میں سے جو مجتہدین مطلق ہیں (امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) ان کے اپنے اپنے مکاتب فکر قائم ہو گئے۔ انہوں نے اپنے اپنے اصول بنائے کہ قرآن سے استنباط کیسے کریں گے اور سُنّتِ رسول ﷺ سے استنباط کرنا ہو تو کیسے کریں گے۔ اگر احادیث میں کوئی تعارض ہو جائے اور سند کے اعتبار سے دونوں احادیث برابر ہوں تو ہم ترجیح کیسے طے کریں گے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ نمازِ فجر کے بعد سورج کے طلوع ہو جانے تک کوئی نماز نہیں' اور عصر کے بعد سورج غروب ہو جانے تک کوئی نماز نہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ جب بھی مسجد میں جاؤ تو مسجد کا حق یہ ہے کہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھو' اس کے بعد بیٹھو۔ اب کیا کیا جائے؟ احادیث سند کے اعتبار سے برابر بھی ہوں تو اب تعارض آ گیا۔ مثلاً ایک شخص جو فجر کی نماز کسی وجہ سے اپنے گھر میں پڑھ چکا تھا' اب وہ اگر سورج کے طلوع ہونے سے پہلے مسجد میں آیا ہے تو کیا وہ تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا عصر کی نماز کے بعد کوئی شخص مسجد میں غروبِ آفتاب سے پندرہ منٹ پہلے پہنچ گیا ہے تو وہ وہاں پر دو رکعت نماز پڑھ کر بیٹھے یا نہ پڑھے؟ اس میں اختلافِ رائے ہو جائے گا کہ کس کو کس حوالے سے ترجیح دینی چاہیے۔

یہ معاملہ اصول سے متعلق ہے' اور ائمہ مجتہدین کے اپنے اپنے اصول ہیں۔ اصول پر

سب سے پہلی تصنیف ''کتابُ الاُمّ'' امام شافعیؒ کی ہے' جو بہت ہی ضخیم اور عمدہ کتاب ہے۔ اسی طرح ہر مکتب فکر نے قرآن اور سُنّت سے استنباط کے لیے اپنے اصول بنا لیے۔ اس اعتبار سے ہمارے ہاں اہلِ سُنّت کے چار مکاتب فکر بن گئے۔ ان چاروں میں قرآن کی سرخ لکیر' سُنّت کی نیلی لکیر' اور اجماعِ صحابہؓ یا اجماعِ خلفاءِ راشدینؓ کی سبز لکیر بھی آ گئی۔ یہ جو زرد لکیر پہلے دائرے میں آئی ہے' یہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے اجتہادات ہیں۔ اسی طرح باقی تین دائروں میں بھی قرآن' سُنّت' اجماع اور پھر امام شافعیؒ' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے اجتہادات ہیں۔ ہمارے ہاں یہ چار مسالک ہیں۔

اس ڈایاگرام کے ذریعے آپ کو اس حوالے سے ایک بصیرت (insight) حاصل ہو جائے گی کہ ہمارے ہاں مختلف مکاتب فکر کے اندازِ نظر (approach) میں کیا بنیادی فرق ہے اور ان کے مابین اختلاف کس درجے کا ہے۔ ایک تو ہے مسالک کے درمیان اختلاف' وہ تو معلوم ہے' لیکن مسائل میں اختلاف کس بنیاد پر ہے' اس کے فہم کے لیے یہ ڈایاگرام' ان شاء اللہ' مفید رہے گی۔ اسے اپنے پاس رکھیے' فریم کرائیے' یا اپنی ٹیبل پر شیشے کے نیچے رکھ لیجیے۔

علّامہ اقبال پر میری رائے

متذکرہ بالا پہلے دو گروہوں (متجددین+منکرینِ سُنّت) کے بارے میں عرض کروں گا کہ علّامہ اقبال کی بعض عبارتوں سے اس قسم کے خیالات کا ترشح ہوتا ہے۔ اگر غلام احمد پرویز نے اپنے آپ کو علّامہ اقبال کی طرف منسوب کیا ہے تو یہ بالکل بے بنیاد نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء میں مَیں نے جو مضمون لکھا تھا ''اسلام کی نشأۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' اس میں ایک طرف مَیں نے ایمانی حقائق کے اثبات کے لیے علّامہ اقبال نے جو جدید علم کلام شروع کیا' اس کی بایں طور مدح کی ہے کہ آج کے دور کے لیے جو جدید علم کلام درکار ہے' اس رخ پر کام کا ''پرائمر'' علّامہ اقبال کے چھ لیکچرز ہیں (اس کے بعد اس کام کو آگے بڑھایا ہے ڈاکٹر رفیع الدین نے)۔ لیکن دوسری طرف میں نے اُسی وقت یہ نوٹ کروایا تھا کہ اجماع' قانونِ اسلامی اور اجتہاد وغیرہ کے معاملے میں علّامہ اقبال کے تصوّرات محلِ نظر ہیں اور مَیں

ان کی تائید نہیں کرتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس کی طرف سے بروقت رہنمائی ملتی رہی ہے۔ اسی طرح جب مَیں نے مرکزی انجمن خُدّام القرآن لاہور قائم کی تھی تو انجمن کے تجویزی خاکے کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ یہ صرف پہلا قدم ہے' میرے پیش نظر اصلاً بیعت کی بنیاد پر ایک اسلامی انقلابی جماعت قائم کرنا ہے۔

میرا طرزِ عمل

میرا اپنا طرزِ عمل یہ ہے کہ عبادات کے معاملے میں فقہ سے کم اور احادیثِ رسولؐ سامنے آ جائیں تو اُن سے زیادہ رہنمائی لیتا ہوں۔ یا یوں کہیں کہ مَیں اُن کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ چنانچہ مَیں رفع یدین بھی کرتا ہوں۔ البتہ چونکہ یہاں مسلمانوں کی عظیم اکثریت فقہ حنفی کی قائل ہے تو اگر ریاست کی سطح پر یہ فقہ نافذ کر دی جائے تو مجھے قابلِ قبول ہو گی۔

ڈایاگرام کا نچلا حصّہ جسے مستطیل صورت میں ظاہر کیا گیا ہے' میرے نزدیک موجودہ وقت میں ایک سُنّی مسلمان کے لیے مناسب ترین طرزِ عمل ہے۔ اس مستطیل کے اندر چاروں فقہوں کا آغاز شامل ہے۔ اہلِ سُنّت کے ہاں تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ چاروں فقہیں صحیح ہیں۔ ہمارے ہاں احناف دوسری تمام فقہوں (شافعی' مالکی اور حنبلی) کو صحیح تسلیم کرتے ہیں' لیکن ان کا اعتراض یہ ہے کہ ''حنفی'' ہوتے ہوئے امام مالکؒ یا امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ کے قول سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا' کوئی دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ اس ضمن میں میرا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ جس معاملے میں ائمہ اربعہ متفق ہوں' مَیں نے اپنے اوپر پابندی لگائی ہوئی ہے کہ مَیں اس سے باہر نہیں جاؤں گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مَیں اجتہادِ مطلق کا دروازہ بند سمجھتا ہوں۔ اجتہادِ مطلق ایک الگ اصطلاح ہے۔ اجتہاد کی دو قسمیں ہیں: اجتہاد فی المذہب اور اجتہادِ مطلق۔ ''اجتہاد فی المذہب'' کا مطلب ہے ''مذاہب اربعہ'' میں تقسیم (branching) کے بعد کسی فقہ کے جو اصول معیّن ہو چکے ہیں (مثلاً فقہ حنفی میں قرآن' سُنّت' اجماع اور حضرت امام ابوحنیفہؒ یا قاضی ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ یا امام زفرؒ کے قیاسات) ان میں آگے اجتہاد کرنا۔ اس کے برعکس اجتہادِ مطلق سے مراد فقہ کے معیّن اصولوں سے باہر نکل کر اجتہاد کرنا ہے۔

ہمارے مقلدین علماء (احناف) بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اجتہادِ مطلق کا دروازہ بند نہیں سمجھتے‘ ممکن ہے کوئی مجتہدِ مطلق پیدا ہوجائے‘ لیکن اس وقت لوگوں کے علم‘ کردار‘ تقویٰ اور للّٰہیت کی جو صورتِ حال ہے اس کے تحت مناسب ہے کہ اس کا دروازہ بند رکھا جائے‘ ورنہ بڑے فتنے شروع ہوجائیں گے۔

چونکہ نہ تو مَیں مجتہد فی المذہب اور نہ ہی مجتہد مطلق ہونے کا دعوے دار ہوں‘ اس لیے میں نے یہ طے کیا ہے کہ جن چیزوں پر تو یہ چاروں ائمہ متفق ہیں‘ چاہے میری عقل اسے مانے یا نہ مانے‘ مَیں اس سے باہر نہیں جاؤں گا۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی بھی کوئی بات اگر میری عقل کے سانچے میں نہیں آئے گی تو اسے مَیں ردّ تو نہیں کرسکتا‘ مجھے لازماً ماننی ہے۔ ہمیں عقل کو قرآن پر حاکم نہیں بنانا بلکہ قرآن کو اپنی عقل پر حاکم بنانا ہے۔ اگر میری عقل میں بات نہیں آرہی تو نہ آئے‘ یہ میری مجبوری ہے‘ میری تقصیر ہے۔ قرآن تو برحق ہے۔ اسی طرح سُنّت رسول ﷺ کی کوئی بات چاہے میری عقل کے معیارات یا تقاضوں پر پوری نہ اترتی ہو‘ لیکن لامحالہ مجھے ماننی ہے۔ (واضح رہے کہ یہ ساری باتیں قانون اور شریعت اسلامی کے ضمن میں ہورہی ہیں‘ باقی جو چیزیں Scientific phenomena ہیں وہ بالکل علیحدہ ہیں۔) اسی طرح قانون سے تعلق رکھنے والی چیزوں پر چاروں فقہی مکاتبِ فکر متفق ہوگئے تو چاہے وہ میری عقل میں نہ آئے‘ میں اسے تسلیم کروں گا۔

اس ضمن میں مَیں آپ کے سامنے کھل کر بات کردیتا ہوں کہ ’’طلاقِ ثلاثہ‘‘ والا معاملہ میری عقل میں نہیں آیا۔ ایک ہی مجلس کی طلاقِ ثلاثہ کو اگر آپ مغلظ مانتے ہیں تو لازم ہے کہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعزیر بھی رکھیں۔ طے کردیں کہ ایسا کرنے والے کو (مثلاً) دو سال سزا ہوجائے گی یا بیس کوڑے لگیں گے‘ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات پر کوڑے لگاتے تھے۔ لوگوں کو یہ معلوم ہوگا تو پھر وہ غُصّے میں آکر طلاق نہیں دیں گے۔ فساد یہ ہوا کہ کوڑوں والی بات تو رہ گئی اور دوسری بات چل پڑی۔ اب چونکہ چاروں مکاتبِ فکر کا اس پر اتفاق ہے تو مَیں نے اپنی عقل کو علیحدہ رکھا ہے۔ نہ میں اس کا اظہار کرتا ہوں نہ اپنی رائے دیتا ہوں۔ کوئی میرے پاس طلاق کا مسئلہ لے کر آئے تو کہہ دیتا ہوں کہیں اور سے جا کر

معلوم کرلو‘ مَیں اس میں کوئی رائے نہیں دوں گا۔ یہ میرا احتیاطی معاملہ ہے کہ جن معاملات پر چاروں فقہی مکاتبِ فکر متفق ہوں تو مَیں اُس دائرے سے باہر نہیں نکلتا۔ البتہ چونکہ مَیں چاروں کو برحق مانتا ہوں‘ لہٰذا ان کے مابین اختلاف کی صورت میں ان میں سے کسی ایک کی رائے کو ترجیح دے کر اسے اختیار کرلیتا ہوں۔ اسی لیے میں اپنے آپ کو ’’نیم مقلّد‘‘ کہتا ہوں۔ ایک مقلّد تو وہ ہے جو ہر معاملے میں کسی ایک امام کی رائے کا صد فیصد پابند رہتا ہے‘ جبکہ میرا معاملہ یہ ہے کہ مَیں کسی بھی امام کی رائے کو اختیار کرلیتا ہوں۔

واضح رہے کہ مَیں اجتہاد نہیں کررہا۔ اجتہاد کی چھلنی سے گزر کر تو اماموں کی یہ فقہیں آئی ہیں۔ البتہ چونکہ سب مانتے ہیں کہ فقہ حنفی‘ فقہ شافعی‘ فقہ مالکی اور فقہ حنبلی چاروں صحیح ہیں‘ اس لیے میں ائمہ اربعہ کی آراء میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیتا ہوں۔ یہ آزادی مَیں نے اپنے لیے رکھی ہوئی ہے۔ مثلاً فاتحہ خلف امام کے معاملہ میں مَیں امام مالکؒ کے مسلک پر عامل ہوں کہ سِری رکعات میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں اور جہری رکعات میں (جب امام بآوازِ بلند قراءت کررہا ہوتا ہے) نہیں پڑھتا۔ حنفی مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے اور شافعی مسلک یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے‘ چاہے جہری ہو یا سِری ہو۔ مَیں جس طرزِ عمل کو مناسب ترین سمجھتا ہوں وہی مَیں نے اختیار کیا ہے۔ میرے اس موقف کو ڈایاگرام میں دکھائی گئی مستطیل واضح کرتی ہے کہ جن چیزوں پر چاروں مکاتبِ فکر کا اتفاق ہو اس کو مَیں نے اپنے لیے واجب التعمیل (binding) بنالیا ہے‘ اس سے میں تجاوز نہیں کرتا۔ البتہ جہاں ان کے مابین اختلاف ہے وہاں مَیں اپنا pick and choose کا اختیار استعمال کرتا ہوں۔

آسانی تلاش کرنے کی دلیل

متذکرہ بالا طرزِ عمل کے خلاف سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس سے تو آدمی آسانی تلاش کرلے گا۔ مَیں ڈٹ کر کہتا ہوں کہ یہی تو شریعت کا منشا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: ((یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا)) ’’آسانی پیدا کرو‘ مشکل مت پیدا کرو!‘‘ چنانچہ شریعت کے دائرے کے اندر اندر جتنی آسانی مل سکتی ہو اُس سے ضرور فائدہ اُٹھاؤ‘ لیکن اس سے باہر

ہرگز نہیں جانا۔ یہی شریعت ہے۔ مجھے ۵۷-۱۹۵۶ء کے زمانے کا واقعہ یاد آرہا ہے کہ صادق آباد میں مولانا عبدالغفار حسنؒ اور جماعت اسلامی کے کچھ چوٹی کے لوگ بیٹھے تھے۔ دورانِ گفتگو مولانا عبدالغفار حسنؒ نے یہی بات کہی کہ آدمی کو کسی ایک فقہ کا پابند ہو جانا چاہیے۔ مَیں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگے: ورنہ آدمی آسانی تلاش کرے گا۔ مَیں نے کہا: آسانی تو دین کے اندر مقصود ہے: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵) اور حضور ﷺ نے فرمایا: ((یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا)) (صحیح البخاری) چنانچہ شریعت کے اندر اندر اگر آسانی ملتی ہو تو انسان کو وہ لینی چاہیے۔ مولانا اس پر خاموش ہو گئے تھے۔

ہمارے روایتی علماء تو اس قدر متشدّد ہیں کہ ان کے نزدیک حنفی نے شافعی کے طریقے پر نماز پڑھ لی تو اُس کی نماز نہیں ہوئی۔ مذاہب کو جمع کرنے کو وہ کفر کے درجے میں لے جاتے ہیں۔ یہ سختی اس درجے میں تھی کہ وہ اس کے لیے ''تلفیق'' کا لفظ شرعی گالی کے طور پر استعمال کرتے تھے کہ یہ مختلف فقہوں کو جوڑتا ہے!! اس بارے میں مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تلفیق کے بغیر تو آئندہ قانون چل ہی نہیں سکے گا' یہ تو لازم ہے' مگر ہمارے ہاں کے عام روایتی علماء اسے قبول نہیں کریں گے۔ مولانا تھانویؒ نے ایک مسئلہ میں چونکہ تلفیق کر لی ہے تو وہ کہیں گے کہ مولانا کو یہ حق حاصل ہے' تمہیں نہیں ہے! حالانکہ اصولی طور پر ایک بات ٹھیک ہے تو اب اس کو ماننا پڑے گا۔ وہ معاملہ ایک ایسی عورت کا تھا جس کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے' یعنی اُس کا کوئی پتہ ہی نہ چلے۔ تو وہ عورت کتنا عرصہ انتظار کرے؟ کیا وہ اُس کے نکاح میں رہے گی؟ طلاق اُس نے نہیں دی' اس کے انتقال کی اطلاع بھی نہیں آئی' تو وہ عورت کتنے عرصے کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہے؟ فقہ حنفی کے مطابق وہ عورت ۹۰ برس تک انتظار کرے گی۔ آخر کار یہاں فقہ مالکی کا موقف قبول کیا گیا کہ کسی عورت کو اگر چار سال کی مدّت تک اپنے شوہر کی کوئی خبر نہ ملے تو (قاضی کی توثیق کے بعد) اُس کا نکاح ختم ہو گیا اور وہ عورت کسی اور کے ساتھ نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ آج کل احناف کا فتویٰ اسی قول پر ہے۔

فقہ کے نفاذ کا مسئلہ

مَیں یہ کہتا رہا ہوں اور اب بھی اس پر قائم ہوں کہ موجودہ حالات میں اگر کوئی یہ کہے کہ ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ فقہ حنفی اسلامی قانون کے دائرے سے خارج تو نہیں۔ اگر متبادل (alternative) یہ ہو کہ یا سیکولر قانون ہو گا یا فقہ حنفی ہو گی تو میں فقہ حنفی کو پسند کروں گا۔ فقہ حنفی کیا' سیکولر قانون کے مقابلے میں فقہ مالکی یا فقہ شافعی نافذ ہو جائے تو بھی مَیں پسند کروں گا۔ یہ مَیں موجودہ حالات کی بات کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ ''مذاہبِ اربعہ'' اسلام سے باہر تو نہیں ہیں۔

یہی بات مَیں اہلِ تشیّع سے کہہ رہا ہوں' مگر ابھی تک وہ میری بات مان نہیں رہے۔ خاموش ہو جاتے ہیں' کوئی جواب اُن کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اگر مان بھی لیں تو ظاہر ہے کہ اُن کے پیروکار تالی پیٹ دیں گے اور اُن کی قیادت ختم ہو جائے گی۔ مَیں نے کہا تھا کہ آپ مان لیں کہ جو کچھ ایران میں کیا گیا ہے وہی آپ یہاں پر قبول کرنے کو تیار ہیں کہ ''پبلک لاء'' وہی ہو گا جو اکثریت کی فقہ ہے یا اکثریت کا نقطہ نظر ہے۔ یہاں مَیں نے دو الفاظ علیحدہ استعمال کیے ہیں: اکثریت کی فقہ یا اکثریت کا نقطہ نظر۔ بہرحال اکثریت کی جو فقہ یا نقطہ نظر ہے ''پبلک لاء'' میں اس کو تسلیم کیجیے' اور اپنے لیے آپ ''پرسنل لاء'' میں پوری آزادی لیجیے' بلکہ ''پرسنل لاء'' میں تو ہر فقہ کے ماننے والوں کو کھلی آزادی ہونی چاہیے۔ اگر دو مختلف فقہوں سے تعلق رکھنے والوں کی شادی ہو رہی ہو' فرض کیجیے لڑکا سُنّی ہے اور لڑکی شیعہ ہے تو اب کیا کیا جائے؟ یہ بات نکاح فارم کے اندر طے کر دینی چاہیے کہ اس نکاح کے معاملات پر کون سی فقہ کا اطلاق ہو گا۔ یعنی وہ خاندان جو اِس نکاح سے وجود میں آرہا ہے اس کے سارے معاملات (رضاعت' طلاق وغیرہ کے مسائل) فلاں فقہ (فقہ حنفی یا فقہ جعفریہ) سے طے ہوں گے۔ ظاہر ہے فریقین میں سے کسی ایک کو اس معاملے میں قربانی دینی ہو گی۔ میرا موقف اب بھی یہی ہے اور میں اس پر جازم ہوں۔ اگر ہم یہ موقف اختیار نہیں کریں گے تو حالاتِ موجودہ میں جو بات لوگوں تک پہنچانے کی ہے' ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

اسلامی قانون سازی کے لیے مستقل حد بندی

آخری بات یہ کہ جب حقیقی اسلامی انقلاب کے بعد مستقبل کی اسلامی ریاست بنے گی اُس وقت قانون سازی (legislation) کا سارا معاملہ ازسرِنو ہوگا۔ ہم ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں کہ دستوری حد بندی صرف دو مآخذ سے ہوگی: ایک قرآن حکیم اور دوسری سُنّت رسول ﷺ۔

"No legislation can be done repugnant to the Quran and Sunnah."

قرآن حکیم کے خلاف اور سُنّتِ رسول ﷺ کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد کی ہر شے نظائر (precedence) کے درجے میں ہوگی کہ یہ معاملہ خلافتِ راشدہ میں پیش آیا تو یوں حل کیا گیا تھا۔ یہاں weightage والی بات آجائے گی۔ اگر اس کے اندر ہماری range ایک سے سو تک ہے تو ہم خلافت راشدہ والی نظائر کو ۷۵ نمبر دیں گے‘ اس کے بعد مجتہدین مطلق کی آراء کو کمتر نمبر دیں گے۔ بہرحال یہ سارے کا سارا معاملہ بشمول خلافت راشدہ نظائر (precedence) کے دائرے میں آئے گا۔ عدالتوں میں زیر سماعت مقدّمات میں نظائر کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اعلیٰ عدلیہ میں چھوٹے چھوٹے نکات پر مقدّمات کے فیصلے ہوتے ہیں کہ فلاں ہائی کورٹ نے اس مسئلے کے اندر یہ رائے دی تھی‘ سپریم کورٹ آف انڈیا کے سامنے یہ مقدّمہ آیا تھا تو اُس نے یہ رائے دی تھی اور برطانیہ کی سپریم جوڈیشل کونسل کی اس معاملے میں یہ رائے تھی۔ ائمہ فقہاء کی آراء ہمارے لیے نظائر کے درجے میں ہیں کہ اس معاملے میں امام ابوحنیفہ‘ امام مالک‘ امام شافعی‘ امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے بعد امام ابو یوسف‘ امام محمد اور دوسرے فقہاء رحمہم اللہ کی یہ آراء ہیں۔ اس اعتبار سے اہم ترین اور وزنی ترین آراء خلافت راشدہ کے دور کی شمار ہوں گی اور ان کو maximum weightage حاصل ہوگا۔ البتہ دستوری حد بندی صرف دو چیزوں سے ہوگی‘ اور وہ ہیں قرآن وسُنّت (کتابُ اللّٰہِ وَسُنّۃُ رَسُولِہٖ)۔ یہ بات مَیں پُرزور انداز میں صراحت کے ساتھ کہتا رہا ہوں کہ جس جمہوری ملک کے اندر تین چیزیں طے کر دی گئیں وہ اسلامی ریاست اور خلافت بن گئی:

(۱) حاکمیت اللہ کی

(۲) قانون ساز ادارے کا اختیار ہر سطح پر محدود ہوگا۔ (قانون ساز ادارے کو چاہے پارلیمنٹ کہیں‘ سینیٹ کہیں‘ یا مجلس شوریٰ کا نام دیں) کوئی بھی قانون سازی قرآن وسُنّت کے خلاف نہیں کی جاسکے گی۔

(۳) دستوری حد بندی صرف قرآن حکیم اور سُنّتِ رسول ﷺ سے ہوگی۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کے نظائر پہلے نمبر پر اور مجتہدین مطلق کی آراء دوسرے نمبر پر آئیں گی۔ بعد کے مجتہدین کی آراء کو اپنے اپنے درجے کے مطابق نمبر ملیں گے۔ اب اجتہادِ مطلق بھی ہو سکے گا‘ اس لیے کہ اصول یہ نہیں ہے کہ کسی معاملے میں قرآن وسُنّت کو بنیاد نہ بنائیں تو قانون سازی نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو قانون سازی کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا۔ اصول یہ ہے کہ کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا جو قرآن وسُنّت کے منافی ہو۔ اب دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔ کتاب وسُنّت کے دائرے میں آپ اکثریت سے معاملات طے کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے ایک گھوڑے کو ۱۰۰ گز کی رسّی سے باندھ دیا ہے تو ۱۰۰ گز نصف قطر کا ایک دائرہ وجود میں آگیا ہے۔ اس دائرے میں گھوڑا آزاد ہے‘ لیکن اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اسی طرح ’’اَمر اللہ‘‘ (کتاب وسُنّت کی حدود) وہ دائرہ ہے جس کے اندر آپ آزاد ہیں۔ یہاں آپ اکثریت سے معاملہ طے کر لیجیے۔ ہوسکتا ہے اکثریت میں کوئی اجتہادِ مطلق کی شکل بن جائے۔ اگر یہ ثابت نہ کیا جاسکا کہ یہ اجتہاد قرآن مجید کے کسی حکم سے یا محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان سے متنازع (controversial) ہے تو وہ بھی قانون کا درجہ حاصل کر لے گا۔

مستقبل کی اسلامی ریاست میں قانون سازی کے حوالے سے یہ میرا موقف ہے۔ اہلِ سُنّت کی جو چار فقہ ہیں‘ جہاں پر ان چاروں کا اتفاق ہو وہاں تو سرِ تسلیم خم ہے! اس سے آگے نکلنا مَیں اپنے لیے خطرناک سمجھتا ہوں‘ لیکن جہاں کہیں ان کے اندر اختلاف ہے وہاں pick and choose کرنا مَیں اپنا حق سمجھتا ہوں‘ اور یہ مدلّل حق ہے‘ جب کہ لوگ ان چاروں کو برحق مانتے ہیں۔ ❁❁❁

نوعِ انسانی کا معلّمِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پروفیسر حافظ احمد یار رحمۃ اللہ علیہ ☆

اَلحمدُ لِلّٰہ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ والسّلامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّابَعْد! فَاَعُوْذُ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲﴾ (الجمعة)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ کے گوشے بے شمار اور اس مطالعہ سے پند و موعظت کے تمام پہلوؤں کا استقصاء کارِ دشوار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہمیشہ اور ہر جگہ مسلمانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔ ہر مسلمان اپنے حال اور مستقبل کو سنوارنے کے لیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ کا محتاج اور ضرورت مند ہے۔ جو مسلمان سیرت پاک کے متعلق کچھ نہیں جانتے یا وہ کم جانتے ہیں وہ کچھ مزید جاننے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اور جو جانتے ہیں وہ دوسروں تک سیرت کا پیغام پہنچانا اپنا دینی فریضہ اور اپنی صلاحیتوں کا بہترین مصرف سمجھتے ہیں۔ مدّاحوں اور خادموں کی اس فوج کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاسدوں کا ایک گروہ بھی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ اور اس پر معاندانہ اظہارِ خیال کو اپنے دِل کا بخار نکالنے کا ایک کارگر ذریعہ پاتا ہے۔ اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کے بارے میں دنیا کی مختلف زبانوں میں آج تک اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ اس کی مقدار کا علم بھی صحتِ تعین کے ساتھ تو فقط اُس ذات کو ہے جس نے ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴﴾ (الانشراح) کہا۔ البتہ جو بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے (اور جس کا ذکر جنرل محمود شیت خطاب نے بھی اپنے ایک مقالے میں اقوام متحدہ کے

☆ سابق صدر شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ پنجاب و استاذ قرآن اکیڈمی لاہور

ایک جائزے کے تذکرے میں کیا ہے۔ (بحوث، ص ۵۱۵) وہ یہ ہے کہ قریباً چار ہزار سال کی معلوم انسانی تاریخ میں کسی بھی اہم شخصیت کے بارے میں اس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں لکھا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لکھا گیا ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ سیرت کا بنیادی مواد متعین ہے اور اس میں سائنسی علوم کی طرح کسی ارتقائی تغیّر و تبدّل کا امکان نہیں ہے۔ اس کے باوجود سیرتِ پاک پر کتابوں اور تحریروں میں اس تعجب انگیز روز افزوں اضافہ کی وجہ یہ ہے کہ زاویہ ہائے نگاہ اور پیرایہ ہائے بیان کا حصر ممکن نہیں۔ سیرتِ پاک کا جس پہلو سے بھی مطالعہ کیا جائے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بس یہی پہلو باقی سب پہلوؤں سے زیادہ اہم، نمایاں اور زیادہ دلکش ہے۔ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا ایں جاست!

یا بقول آخر ؎

یزیدک وجھہ حسنًا اِذَا مَا زدتُہ نظرًا

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا حسن بڑھتا ہی جاتا ہے، جوں جوں مَیں اس کی طرف دیکھتا ہوں۔)

اس کانفرنس کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے ایک پہلو یعنی ''نوعِ انسانی کا معلّمِ اعظم'' کو موضوع بنا کر اس کے حوالہ اور اس نقطہ نظر سے سیرتِ پاک علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطالعہ اور اس پر غور و فکر کا جو مختصر موقع ملا تو تھوڑی دیر کے لیے تو یہی محسوس ہونے لگا کہ غالباً ''معلّم ہونا'' ہی سیرت پاک کا سب سے نمایاں، امتیازی اور بے مثل پہلو ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ صرف چند محدود صفات اور امتیازی خصوصیات مل کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے مثل و لاثانی نہیں بناتیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ہر صفت، ہر خوبی اور ہر خصوصیت میں بے مثل و یکتا ہے۔ جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیجنے والا خالقِ ہر دوسرا، لامحدود قدرتوں کا مالک ہے، اسی طرح آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کے بیان کا دائرہ بھی محدود نہیں ہے۔ اور خصوصیات کا بیان بھی ایک کبھی ختم نہ ہونے والی داستان ہے۔ یہ تو صرف اشخاص اور اَدوار کا اختلاف ہے، جس کی وجہ سے کبھی کسی کو ایک خوبی نمایاں نظر آتی ہے تو کبھی دوسری اس سے بہتر دکھائی دیتی ہے۔ ورنہ بقول بوصیریؒ ؎

مُنَزَّہ عَن شَرِیکٍ فِی مَحاسِنِہٖ
فَجوھَرُ الحُسن فِیہ غَیْرُ مُنْقَسِم

(آپ ﷺ کی مقدس ہستی اپنے اوصاف ومحاسن میں کسی کی شرکت سے بالاتر ہے اور آپ ﷺ کا جوہر حسن کسی دوسرے میں تقسیم شدہ نہیں۔)

بہرحال ایک محدود وقت میں سیرتِ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک محدود گوشے پر اپنی استعداد کے محدود ترین زاویے سے نگاہ ڈالنے پر بھی حسبِ ذیل اُمور نکھر کر سامنے آتے ہیں:

(۱) قرآن وسُنّت میں آنحضور ﷺ کے ''معلّم'' ہونے کا خصوصی ذکر۔

(۲) آنحضور ﷺ کی تعلیمی پالیسی کے چند نمایاں پہلو، مثلاً:

(ا) فضیلتِ علم کا بیان اور ترغیب حصولِ علم۔

(ب) معلّم اور متعلّم کی اہمیت اور ان کے باہمی تعلق اور فرائض کی وضاحت۔

(ج) مقصد تعلّم کا تعین۔

(د) دوائر تعلیم کی وضاحت اور تقسیم۔

(۳) مراکزِ تعلیم یا درسگاہوں کی نوعیت اور اہمیت۔

(۴) طریق تعلیم کے کچھ بنیادی اصول۔ (۵) نتائج اور ثمراتِ تعلیم۔

قدرے تفصیل اس اجمال کی یوں ہے:

(ا) فضیلتِ علم کا بیان اور ترغیب حصولِ علم

قرآن کریم میں چار مقامات پر آنحضور ﷺ کی رسالت اور بعثت کا مقصد ''تعلیمِ کتاب وحکمت'' مذکور ہوا ہے۔

(i) دعائے ابراہیم علیہ السلام: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۲۹)

(ii) ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۵۱﴾ (البقرۃ)

(iii) ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۶۴﴾ (آل عمران)

(iv) ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾ (الجمعۃ:۲)

خود آنحضرت ﷺ نے ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) کہہ کر اپنے لیے ''معلّم'' کا لقب پسند فرمایا۔ حضور ﷺ کی اپنی تعلیم کا آغاز حکم ''اِقْرَاْ'' سے ہوا۔ وہ ''اِقْرَاْ'' جس کے نتائج کو ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶﴾ (الاعلیٰ) کا تحفظ حاصل تھا۔ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کی ابتدا ہی قلم اور نشر وحفظِ علم کے باہمی تعلق اور انسان کے نامعلوم علوم کے لیے قابلِ تعلیم ہونے کی حقیقت کے انکشاف سے ہوئی:

﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝۵﴾ (العلق)

آپ ﷺ نے علم کو اپنا ہتھیار کہا: ((وَالْعِلْمُ سَلَاحِيْ)) اور آپؐ کا ''معلّم'' ہونا ہی ''دعائے خلیل'' اور ''نویدِ مسیحا'' کا مکمل ظہور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تو قرآن میں مذکور ہے جس کا ابھی ذکر ہوا:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۲۹)

اور نویدِ مسیحا کا ذکر یوحنا کی انجیل کے ۱۶ ویں باب میں یوں ہوا ہے:

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کہے گا لیکن جو کچھ کہے گا یہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔''

نبی کریم ﷺ کی تعلیمی پالیسی کے بیان میں سب سے پہلے علم کی اہمیت اور فضیلت کا درجہ آتا ہے۔ یہ موضوع وسیع بھی ہے اور تحصیل حاصل بھی۔ وسیع اس قدر کہ صرف علم کی فضیلت اور حصولِ علم کی ترغیب کے متعلق کتاب وسُنّت کی تعلیمات پر ضخیم کتابوں کے طویل ابواب کے علاوہ مستقل تالیفات بھی موجود ہیں اور تحصیل حاصل اس لیے کہ ہر پڑھا لکھا مسلمان اس موضوع پر کچھ نہ کچھ جانتا بلکہ کچھ کہہ بھی سکتا ہے۔

(ب) معلّم اور متعلّم کی اہمیت اور ان کے باہمی تعلق و فرائض کی وضاحت

فضیلتِ علم اور ترغیبِ علم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معلّم اور متعلّم کے مرتبہ اور باہمی تعلق اور ہر دو کے فرائض و واجبات کی طرف بھی مختلف طریقوں سے توجّہ دلائی ہے۔ کہیں تعلیم کو صدقاتِ جاریہ میں گنوایا:

((اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنُ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ ...))(۱)

''بے شک مؤمن کے عمل اور اُس کی نیکیوں میں سے جس کا ثواب مؤمن کو اُس کے مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے وہ علم ہے جو اُس نے دوسروں کو سکھایا اور پھیلایا....''

کہیں علماء کو انبیاء کے وارث قرار دیا:

((اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ، اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوا دِیْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا، اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ اَخَذَ بِهٖ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ))(۲)

''بے شک علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں اور انبیاءؑ نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے۔ اس لیے جس نے اس علم کو حاصل کر لیا اُس نے (علمِ نبوی اور وراثتِ نبوی سے) پورا پورا حصّہ لے لیا۔''

کہیں طلبِ علم کے سفر کو فی سبیل اللہ فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ : فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ))(۳)

''جو کوئی طلب علم کے لیے (گھر سے) نکلا وہ اللہ کے راستے میں ہے، یہاں تک کہ واپس لوٹ آئے۔''

کسی جگہ طلبِ علم کو ماضی کے بُرے کاموں کا کفّارہ کہا:

((مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ کَانَ کَفَّارَةً لِمَا مَضٰی))(۴)

''جس نے علم حاصل کیا تو یہ اس کے گزشتہ گناہوں کا کفّارہ بن جائے گا۔''

کہیں شیطان اور بدی کے مقابلے کے لیے عالم کی عابد پر فضیلت بیان فرمائی:

((فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ))(۵)

''ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔''

کسی موقع پر معلّم و متعلّم ہر دو کو اجر میں شریک ٹھہرایا:

((اَلْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ شَرِیْکَانِ فِی الْاَجْرِ))(۶)

''عالم اور متعلّم اجر میں دونوں شریک ہیں۔''

کبھی طلبِ علم کی کوشش کی بھی ستائش کی اور اس میں ناکامی پر بھی ایک اجر اور کامیابی پر دوہرے اجر کی بشارت دی:

((مَنْ طَلَبَ عِلْمًا فَاَدْرَکَهٗ کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ کِفْلَیْنِ مِنَ الْاَجْرِ، وَمَنْ طَلَبَ عِلْمًا فَلَمْ یُدْرِکْهُ کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ کِفْلًا مِنَ الْاَجْرِ))(۷)

''جس نے علم طلب کیا اور اس کو حاصل کر لیا تو اس کو دو حصّہ اجر ملے گا، اور اگر علم حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا تو اُس کو ایک حصّہ اجر ملے گا۔''

بعض جگہوں پر طالب علمی کے زمانہ کی موت کو شہادت قرار دیا:

((اِذَا جَاءَ الْمَوْتُ لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَهُوَ عَلٰی هٰذِهِ الْحَالِ مَاتَ شَهِیْدًا))(۸)

''جب طالب علم کو اسی حالت میں موت آ جائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے۔''

کہیں علم کے چھپانے کو قابلِ سزا جرم قرار دیا:

((مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَکَتَمَهُ اَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))(۹)

''جس شخص سے علم کی بات پوچھی گئی اور اس نے (جانتے ہوئے) اسے چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے آگ کی لگام پہنائیں گے۔''

اور کبھی معلّموں کو حکم دیا کہ وہ آنے والے طلبہ کو مَرْحَبًا (خوش آمدید) کہا کریں، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے پاس طلبِ علم میں آنے والوں کو مَرْحَبًا کہتے اور ساتھ ہی بتاتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وصیت کے مطابق ایسا کر رہے ہیں:

کُنَّا نَأْتِی اَبَا سَعِیْدٍ (الْخُدْرِیَّ) فَیَقُوْلُ : مَرْحَبًا بِوَصِیَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

(ج) مقصدِ تعلیم

اشاعتِ علم اور طلبِ علم کے اس شوق اور اس کے آداب کے بیان کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مقصدِ تعلیم کے بارے میں یہ وضاحتیں فرمائی ہیں:

(۱) ((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَیْرِ اللّٰهِ اَوْ اَرَادَ بِهٖ غَیْرَ اللّٰهِ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ))(۱۰)

''جس کسی نے غیر اللہ کے لیے علم حاصل کیا یا اس کے ذریعے غیر اللہ کا ارادہ کیا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

(۲) دوسری جگہ فرمایا:

((مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهٖ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ))[۱۱]

''جس نے علم دین اس غرض سے حاصل کیا تا کہ اس کے ذریعے علماء سے مقابلہ کرے گا' یا احمقوں سے حُجّت بازی کرے گا' یا لوگوں کو اپنی جانب مائل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے جہنّم میں داخل کرے گا۔''

(۳) اور تیسری جگہ فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [۱۲]

''جو شخص علم دین حاصل کرتا ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے' مگر وہ اسے صرف اس لیے حاصل کرتا ہے تا کہ اس کے ذریعے کچھ دنیوی فائدہ حاصل کرے تو وہ شخص قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔''

خدا کے خوف یا اس کی رضا' بلکہ تصوّر تک سے بے نیاز علوم و نظامِ تعلیم کے بین الاقوامی سطح پر جو بھیانک نتائج سامنے آئے ہیں (وہ اظہر من الشمس ہیں)۔ اس طرح محض شہرت' ریا و نمود' محض دُنیاوی بڑائی یا محض دولت و جاہ کے لیے تحصیلِ علم کو آنحضرت ﷺ نے باعثِ عذاب ہونا بیان فرمایا۔ جب خدا' نیکی اور مخلوقِ خدا کی نفع رسانی کی بجائے چند گھٹیا قسم کے مقاصد ہی محرکِ تعلیم ہوں گے تو نتیجہ یہی ہوگا کہ یا تو ملک کا ہر اچھا تعلیم یافتہ یا ہنر مند (ڈاکٹر ہو یا انجینئر) ملک سے باہر بھاگنے کی فکر میں لگا رہے گا یا پھر علم کے نام پر جہالت جعلی ڈگریوں کی شکل میں بکنے لگے گی۔

(۵) دوائرِ تعلیم

آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ علم پر کسی خاص طبقے کی اجارہ داری نہ رہے۔ اس ضمن میں اس تاریخی حقیقت کو سامنے رکھیں کہ اسلام سے پہلے علم اور اشاعتِ علم کی حالت کتنی ناگفتہ بہ تھی۔ عرب کے لوگ تو علم سے دُور ہی تھے' یورپ میں بھی تعلیم کلیسا تک اور برصغیر میں برہمن تک محدود کر دی گئی تھی۔ قدیم مصر' ایران وغیرہ میں بھی علم عام آدمی کے لیے شجرِ ممنوع تھا۔ النَّبِیُّ الْمُعَلِّم ﷺ نے علم کو کسی نسلی یا علاقائی گروہ کی اجارہ داری نہیں بنایا۔ علم کے دروازے سب پر کھلے تھے بلکہ سب پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے زمانے کے نصابِ تعلیم سے مفید دنیوی علوم خارج نہیں کیے گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ دُنیوی علوم و صنائع کی تعلیم و تربیت کا تو اُس معاشرے میں پھر بھی کچھ بھلا برا ایک نظام تھا' علومِ دینیہ متعارف بھی نئے سرے سے ہو رہے تھے اور ان کی اہمیت بھی بنیادی تھی' اس لیے زیادہ توجّہ ان پر تھی۔ دوسری زبان سیکھنے اور بعض جنگی صنائع کا علم اور ان کی تربیت حاصل کرنے کے لیے آنحضور ﷺ نے بعض حضرات کو خاص طور پر مامور کیا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بحکم پیغمبر سریانی یا عبرانی زبان سیکھی اور دو صحابیؓ (عروہ بن مسعود اور غیلان بن مسلم رضی اللہ عنہما) دبابات اور منجنیق کی صنعت سیکھنے کے لیے جرش نامی ایک جگہ پر جانے کے باعث جنگ حنین میں بھی شریک نہ ہو سکے تھے۔

آنحضور ﷺ کی تعلیمی پالیسی کا ایک نہایت اہم پہلو خواتین کے لیے مَردوں سے الگ تعلیم کا بندوبست کرنا بھی تھا۔ خود آنحضرت ﷺ نے ہفتے میں ایک دن خواتین کی تعلیم اور ان کے مسائل کے جواب دینے کے لیے مختص کر لیا تھا۔ بعض خواتین کو خواتین سے لکھنا پڑھنا سیکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

مراکزِ تعلیم اور درسگاہوں کی نوعیت اور اہمیت

ابتدائی مکّی دور میں بھی آنحضرت ﷺ ایک پرائیویٹ چھوٹے سے گمنام کمرے کو اپنے مدرسہ اور مرکزِ تعلیم کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے جسے تاریخ ''دارِ اَرقم'' کے نام سے جانتی ہے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کی دولت لے کر لوٹے تھے۔

ہجرت سے پہلے اہلِ مدینہ کی طلب پر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہاں کے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اُس وقت تک مدینہ میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ غالباً حضرت مصعبؓ کسی پرائیویٹ مکان ہی کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ مدینہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے مسجدِ قبا اور پھر مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی بنیاد رکھی اور مسجد ہی کو مسلمانوں کی روحانی' علمی' اجتماعی' سیاسی' غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں کا مرکز بنا دیا تھا۔ آنحضور ﷺ نے مسجد کو ہی مسلمانوں کی تعلیم کا مرکز قرار دیا۔ مسجد نبوی بڑا اور مرکزی ادارہ تھا جس کے ساتھ صُفّہ ایک اقامتی درسگاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ مسجدِ نبوی کے علاوہ مدینہ میں نو (۹) دیگر مساجد کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان سب مساجد میں مسلمانوں کی تعلیم کا بندوبست تھا۔ خصوصاً بچوں کو اپنے پڑوس کی مسجد میں لکھنا

پڑھنا سیکھنے کی سہولت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ عربوں کی تعلیمی پسماندگی کو جلد از جلد دور کرنے کے لیے اور قرآن کریم کی بذریعہ کتابت حفاظت کی خاطر آنحضرت ﷺ کتابت سیکھنے کی تعلیم کو اوّلین فوقیت دیتے تھے۔ کتابت کی اس اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ہجرت جیسے پُرخطر سفر میں بھی سامانِ کتابت ساتھ رکھنا ضروری خیال کیا تھا۔ جیسا کہ سراقہ کو لکھ کر دیے ہوئے امان نامہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو مسجد میں آنے والے طالبانِ علم، خصوصاً اصحابِ صُفّہ کو لکھنا سکھانے پر مامور فرمایا۔ مسجد نبوی میں صحابہؓ کے تعلیمی حلقے بنا کر بیٹھنے کا رواج حضور ﷺ کے سامنے ہی شروع ہو گیا تھا۔ یہ حلقے آج کل کی کلاسوں کے قائم مقام تھے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری ایام میں یمن اور بعض دیگر علاقوں میں اپنے عامل (گورنر) بھیجے تھے۔ علاقے کی مساجد اور ان کے اندر واقع مدارس کا انتظام اور دیکھ بھال بھی ان عُمال کے ذِمّے ہوتی تھی۔ بعض دفعہ انتظامی گورنر ایک آدمی ہوتا تھا اور ناظر تعلیمات اور قاضی (جج) دوسرا آدمی ہوتا تھا۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ یمن کے انتظامی اور مالیاتی امور پر مامور تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ناظم تعلیمات اور قاضی کی حیثیت سے وہاں بھیجے گئے تھے۔

چھوٹے بچوں کے لیے قریب ترین مسجد سے تعلیم کا آغاز کرنا، آنحضرت ﷺ کے عہد اور مابعد زمانہ میں مسلمانوں کے عام نظامِ تعلیم کا بنیادی ستون تھا۔ مساجد چونکہ عبادت اور طہارت کی جگہ ہیں اس لیے مسجد کے اندر بچہ خود بخود لباس اور جسم کی صفائی اور کئی دیگر اسلامی آدابِ معاشرت اور احکامِ عبادات سیکھتا چلا جاتا ہے۔ محلّہ اور گاؤں کی چھوٹی مساجد اور شہروں کی بڑی اور جامع مساجد آج بھی ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے استعمال ہو سکتی ہیں اور ہونی چاہئیں۔ یا کم از کم ہر تعلیمی ادارہ کے ساتھ بلحاظ وسعت و اہمیت ایک متناسب مسجد ضرور ہونی چاہیے۔ اس پر غالباً حکومت کو ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔ صرف اس فیصلے کا اعلان کر دیا جائے تو اُمید ہے کہ ہر گاؤں، محلّے اور شہر کے لوگ بڑی آسانی سے اس قسم کی مساجد کی تعمیر پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو عموماً اور پاکستانیوں کو خصوصاً اپنے نظامِ تعلیم میں آقائے دو جہاں ﷺ کے دیے ہوئے دو اصول اپنانا واجب اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یعنی (۱) خواتین

کی تعلیم کے لیے علیحدہ انتظام، اور (۲) تمام تعلیمی اداروں کے ساتھ مسجد کو لازم و ملزوم سمجھنا۔

سرورِ کائنات ﷺ کا نظامِ تعلیم مفت اور رضا کارانہ تھا، بلکہ صُفّہ کے ذریعے ''مفت اقامتی اور ہمہ وقتی تعلیم'' کا آغاز بھی کر دیا گیا تھا۔ اسی مفت تعلیمی حکمت عملی کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مدّتوں تک علماء و ائمہ، تدریس و تعلیم پر اُجرت لینا قطعاً حرام سمجھتے رہے اور معاش کے لیے کسی اور پیشے کو اختیار کرتے تھے۔ بہت سی پیچیدہ معاشرتی مجبوریوں کی بنا پر جب علماء مدرسوں میں تنخواہوں پر کام کرنے لگے تب بھی اس کا بوجھ بلکہ بوجھ کا ادنیٰ حصّہ بھی طالب علم پر نہیں ڈالا جاتا تھا۔ طلبہ کے تمام مصارف (کتب، طعام، لباس تک) مدرسہ ادا کرتا تھا، چاہے وہ حکومت کی جانب سے ہوتا یا بعض اصحابِ خیر کی طرف سے۔ تعلیم پر طلبہ سے فیسیں وصول کرنے اور تعلیم و تعلّم کو بھی تجارتی لائنوں پر چلانے کا رواج غالباً سب سے پہلے انگریز نے ہی ڈالا۔ اسلامی تاریخ میں اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔

طریقِ تعلیم کے چند بنیادی اصول

آنحضرت ﷺ نے تعلیم کو آسان، عام اور مؤثر و نتیجہ خیز بنانے کے لیے بعض خاص ہدایات وقتاً فوقتاً جاری فرمائیں، جن کی نفسیاتی اور تعلیمی اہمیت آج بھی برقرار بلکہ زیادہ آشکار ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے یہ حکیمانہ اصول دیا کہ:

((يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا))(۱۳)

''آسانیاں پیدا کرو، تنگی مت پیدا کرو، اور لوگوں کو بشارت دو، انہیں (دین سے) متنفّر مت کرو۔''

آپؐ خود اکثر بات کو دُہرا کر کرتے تھے تاکہ سننے والے کو سننا اور یاد کرنا آسان ہو۔ ((اِنَّهُ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ))(۱۴) ''آپ ﷺ جب کوئی بات کہتے تو اس کو تین مرتبہ فرماتے یہاں تک کہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیتے۔'' آپ ﷺ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ سننے والا اُکتا نہ جائے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے ہفتہ وار درسِ قرآن کو دو روزہ یا سہ روزہ کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا تھا کہ مَیں تو نبی ﷺ کی پیروی کر رہا ہوں کہ ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا))(۱۵) آنحضور ﷺ اپنی ساری قادر الکلامی کے باوصف ہمیشہ مخاطب کے فہم اور اس کے ذہنی معیار

کے مطابق گفتگو فرماتے۔ آپ ﷺ کی گفتگو میں کوئی ایسی بھاری بھرکم اصطلاحات‘ کوئی مرموز عبارات یا خفیہ اشارات وتمثیلات نہیں ہوتی تھیں جو سامع کے لیے فہم کلام میں آڑ بن سکتی ہوں‘ جو ہم اکثر اپنی شخصیت کا دبدبہ ورعب ڈالنے کے لیے یا اپنے علم کی اصلیت سے زیادہ نمائش کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

بعض دفعہ آپ ﷺ دور سے آنے والے قبائل کے ساتھ خود اُن کے مقامی لہجے کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ اس سے ہمیں ابتدائی تعلیم کے مادری زبان میں ہونے کی افادیت کا اصول بھی ملتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے چھوٹے بچوں کو گھر پر بھی نماز‘ طہارت اور دیگر اسلامی آداب سکھانے کے بارے میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اس کا مقصد بچے کے گھر اور مدرسے کے ماحول میں ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔ حضور ﷺ کے طریق تعلیم میں عدد اور گنتی کی مدد حافظہ تدبیر کا استعمال بھی ملتا ہے‘ مثلاً:

اتقوا السبع الموبقات ..... فامرهم باربع ونهاهم عن اربع .....
ثلاث من كن فيه وغيره

اسی طرح آپ ﷺ مخاطب میں تعلیم کے لیے ذہنی آمادگی پیدا کرنے کے لیے بعض دفعہ ایک مناسب اور پُرکشش سوال سے ابتدا فرماتے جس سے اُس کی پوری توجہ آپؐ کی طرف منعطف ہوجاتی تھی۔ احادیث میں اَتَدْرُوْنَ‘ اَتُحِبُّوْنَ وغیرہ کلمات سے بات کا آغاز کرنے کی متعدد مثالیں مل جاتی ہیں۔

نتائج اور ثمراتِ تعلیم

معلّمِ کتاب وحکمت نبی ﷺ کے اس نظام تعلیم وتربیت اور اشاعتِ علم کی حکمت کے نتائج دو لحاظ سے تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ اوّلاً افراد سازی کے نقطہ نظر سے آنحضرت ﷺ نے تعمیر انسانیت کا کام انسانیت کی ابتدائی سرحد سے شروع کیا اور پھر اسے انسانیت کے بلند ترین معیار تک پہنچا دیا۔ آنحضور ﷺ نے اپنے تلامذہ کو حیرت انگیز طور پر متضاد اوصاف وکمالات کا جامع بنا دیا اور زندگی کے ہر میدان میں اپنی استعداد‘ صلاحیت‘ فرض شناسی اور احساسِ ذمّہ داری کا ثبوت دینے والے ایسے ایسے افراد تیار فرمائے کہ ان کے کارنامے تاریخی حقائق ہونے کے باوجود شاعرانہ تخیل اور فرضی افسانوں سے زیادہ حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ ثانیاً آنحضرت ﷺ

کے اس علم پرور نظامِ تعلیم کا ہی نتیجہ تھا کہ عربوں کی ناخواندگی اور امیت کے دور اور پھر ان کے دنیا بھر کے علوم وفنون سے شیدائی بن جانے کے دور کا درمیانی فاصلہ حیرت انگیز طور پر کم ہوگیا۔ تاریخ میں کہیں اس قدر سریع علمی ترقی کی مثال نہیں ملتی۔ ایک قلیل مدّت کے اندر دُنیا کی سیاسی ہی نہیں علمی قیادت بھی مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں آگئی اور یہ سب برکت تھی اُس ذہنی انقلاب کی جو قرآن نے مسلمانوں میں برپا کیا اور اُس علمی لگن کو جو (معلّمِ اعظم ﷺ) نے اپنے متبعین کے اندر پیدا کردی تھی۔

حواشی

(۱) الترغیب والترھیب ۱۹۴/۱ عن ابن ماجہ۔
(۲) رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ وابن حبان وغیرھم
(۳) رواہ الترمذی والطبرانی
(۴) رواہ الترمذی والدارمی
(۵) رواہ الترمذی وابن ماجہ
(۶) الجامع الصغیر للسیوطی
(۷) المعجم الکبیر للطبرانی
(۸) رواہ البزار
(۹) رواہ ابوداؤد
(۱۰) رواہ الترمذی
(۱۱) رواہ الترمذی
(۱۲) رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ
(۱۳) صحیح البخاری
(۱۴) صحیح البخاری‘ عن انس رضی اللہ عنہ
(۱۵) صحیح البخاری

(نوٹ: قارئین کی سہولت کے لیے احادیثِ نبویہ ﷺ کے تراجم اور حوالہ جات کا اضافہ ادارۂ میثاق کی جانب سے کیا گیا ہے۔)

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

انسانیت — دہلیزِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر

پروفیسر عبداللہ شاہین

خطبۂ حجۃ الوداع بلاشبہ انسانی حقوق کا اوّلین اور مثالی منشورِ اعظم ہے۔ اسے تاریخی حقائق کی روشنی میں انسانیت کا سب سے پہلا ''منشورِ انسانی حقوق'' ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ بڑی سے بڑی عالمی تنظیم جیسے سابق لیگ آف نیشنز یا موجودہ ادارہ اقوام متحدہ کے منشور میں بھی وہ انسانی حقوق مندرج نہیں ہیں' جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خطبۂ حجۃ الوداع میں مذکور ہیں۔ ☆

حقوقِ انسانی پر مستزاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو چرند پرند' درند اور حشرات الارض تک کے

☆ مستحضر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام زندگی میں صرف ایک ہی حج کیا ہے' جو فرض ہے۔ نیز یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ حج ایسی رسم عبودیت ہے جس کی دعوت تمام انسانوں کو دی گئی ہے' بقول حق تعالیٰ:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾﴾

(آل عمران)

''بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے' اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔''

نیز یہ وہی عبادت گاہ ہے جس کی بنیاد رکھنے والے انبیاء حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں باپ بیٹے کو یہ حکم باری تعالیٰ دیا گیا تھا کہ:

﴿اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾﴾ (البقرۃ)

''میرے اس گھر کو طواف' اعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔''

اور یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ:

﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾﴾ (الحج)

''اور لوگوں میں اعلان کر دو حج کے لیے کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے پتلے اونٹوں پر سوار دور دراز رستوں سے چلے آئیں۔''

حقوق کی بھی نگہداشت فرمائی۔ امام بیہقیؒ' امام طبرانیؒ اور دیگر محدّثین نے حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ' فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ)) یعنی ''تمام مخلوق گویا اللہ کی عیال ہے' پس اللہ کے نزدیک اپنی مخلوق میں سے محبوب ترین وہ ہے جو اُس کی عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے۔''

روایات میں اُس اونٹ کا واقعہ معروف ہے جسے یعلیٰ بن مرۃ ثقفی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ہمارا گزر ایک اونٹ پر ہوا' جس سے کنویں سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اُس نے آپؐ کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آواز دی اور گردن زمین پر رکھ دی۔ آپؐ اُس کے پاس ٹھہر گئے اور پوچھا: اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم اس کو میرے ہاتھ بیچ دو کہ اونٹ نے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور خوراک کم دیتے ہو''۔ (اس روایت کو امام بغویؒ نے ''شرح السنّہ'' میں بیان کیا ہے۔)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ اپنی حاجت کے لیے نکلے۔ ہم نے سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی چڑیا کو دیکھا' جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا تو وہ چڑیا اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے آئی۔ اتنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اس کو اس کے بچوں کے بارے میں کس نے گھبراہٹ میں ڈالا ہے؟ اس کے بچوں کو اس کی طرف واپس کرو۔'' (ابوداؤد)

اسی طرح کی مثالیں بلّی اور کتّے کی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''ایک عورت بلّی کی وجہ سے عذاب دی گئی۔ اس نے اس کو باندھ رکھا تھا' یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی۔ وہ عورت نہ اس کو کھلاتی تھی اور نہ کھلا چھوڑتی کہ وہ زمین کے جانور وغیرہ کھا لے۔'' (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرمایا: ''ایک بدکار عورت کو بخش دیا گیا۔ وہ ایک کُتّے کے پاس سے گزری جو کنویں کے پاس کھڑا پیاس کی وجہ سے

زبان باہر نکالے ہانپ رہا تھا۔ قریب تھا کہ شدّتِ پیاس سے وہ مر جائے۔ اس عورت نے اپنا موزہ (بند جوتا) اتارا اور اپنے دوپٹے کے ساتھ باندھا' پھر اس کے لیے پانی نکالا۔ اس کی وجہ سے اس کو بخش دیا گیا۔'' (بخاری و مسلم)

زمین پر رینگنے والے کیڑوں میں چیونٹی کو حقیر اور معمولی سمجھ کر مسل یا کچل دیا جاتا ہے۔ لیکن رسول رحمت ﷺ نے چیونٹیوں کو مارنے اور جلانے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

آمدم برسر مطلب —— پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا (یعنی تعریف و توصیف) بیان کی' پھر انسانی حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! اللہ کا ارشاد ہے کہ اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حوا علیہما السلام) سے پیدا کیا اور مختلف قبیلوں اور برادریوں میں بانٹ دیا تاکہ تمہاری شناخت ہو سکے۔ لیکن تم میں زیادہ عزّت اور کرامت والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔ (یعنی اللہ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے' وہ کرے اور جن کاموں سے منع کیا ہے' ان سے رک جائے۔)

اے لوگو! نہ کسی عربی نسل کے آدمی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی شخص کو کسی عربی النّسل پر کوئی فوقیت ہے۔ نہ سفید رنگت والے کو کسی سیاہ رنگ کے آدمی پر افضلیت ہے☆ اور نہ کسی کالے (حبشیٔ النسل) کو گورے پر فضیلت ہے۔ ہاں! اگر کوئی فضیلت کا معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ سب انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا گیا۔ اب فضیلت اور تفاخر کے تمام دعوے میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ ایک دوسرے پر جھوٹی عزّت حرام ہے۔

لوگو! تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ تمہارے نزدیک اس شہر کی اور اس مہینے کی حرمت ہے۔ تم سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور وہ تمہارے اعمال کی باز پُرس کرے گا۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگو اور ایک دوسرے کا خون بہانے لگو۔ یاد رکھو کہ اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت دار' امانت رکھوانے والے کو امانت لوٹانے اور پہنچانے کا پابند ہوگا۔

☆ پیشِ نظر رہے کہ انسانی مساوات کے دعوے دار مغربی معاشروں میں آج بھی سیاہ فام لوگوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔

لوگو! اپنے ماتحتوں (یعنی غلاموں اور خادموں) کا خیال رکھو' جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

لوگو! ہر شخص کا حق (وراثت) اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کر دیا ہے۔ (اس لیے) اب کوئی وارث کے لیے وصیت نہ کرے۔ (نیز کوئی اپنا حسب و نسب نہ بدلے اور) جو کوئی اپنا حسب و نسب بدلے گا اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

بچہ اُسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے (بطور سزا) پتھر ہیں۔ اور حساب و کتاب اللہ کے ہاں ہوگا۔

قرض قابلِ ادائیگی ہے۔ ادھار لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے اور ہدیے کا بدلہ دینا چاہیے۔ جو کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے سے کچھ لے' سوائے اس کے کہ وہ خوشی خوشی دے۔

ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔

عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

دیکھو! تم پر تمہاری بیویوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح عورتوں پر بھی تمہارے کچھ حقوق ہیں۔ تمہارا حق تمہاری بیوی پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی شخص کو نہ بلائے اور کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کرے' اور کوئی خیانت نہ کرے۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ تم ان کو ہلکی (جسمانی) سزا دو۔ اگر وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ (یعنی معروف طریق سے گزر بسر کرو) اور ان کا خیال رکھو کہ تم نے انہیں اللہ کے نام پر حاصل کیا ہے اور اُسی کے نام پر وہ تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں۔

مَیں تمہارے درمیان ایسی چیز (یعنی قرآن مجید) چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل پیرا رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

جاہلیت کے تمام نشانات کالعدم اور ساقط ہو گئے' خاندانی برتری اور فخر میرے قدموں تلے روندے جاتے ہیں۔

ارادتاً قتل کا قصاص ہے (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو سزائے موت ہے)۔

زمانۂ جاہلیت کے تمام سودی کاروبار اب منسوخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے (البتہ اپنی اصل رقم لی جا سکتی۔ بفحوائے عبارت قرآنی ﴿فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾﴾ (البقرۃ) ''پس

تمہاری اصل رقم تمہارے لیے جائز ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''
زمانۂ جاہلیت کے تمام خون بھی ختم اور معاف ہیں، کسی کا انتقام نہیں لیا جائے گا۔ اور سب سے پہلے مَیں اپنے خاندان کا خون معاف کرتا ہوں جو کہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے جو قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا اور اس کو ہذیل نے قتل کر ڈالا تھا۔
دورِ جاہلیت کا سود بھی موقوف ہو گیا ہے اور مَیں سب سے پہلے (اپنے چچا) عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔
اب ہر مجرم خود اپنا ذِمّہ دار ہے۔ نہ باپ بیٹے کے لیے پکڑا جائے گا اور نہ بیٹا باپ کے بدلے میں۔ اوکما قال رسول اللہ ﷺ''

یاد رہے کہ پیغمبر انسانیت رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چودہ صدیاں پہلے حقوقِ انسانی کا جو چارٹر انسانیت کو دیا تھا، عصرِ حاضر کے نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کے حقوقِ انسانی کے سب چارٹر اُسی سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً:

(۱) انگلستان کا حقوقِ انسانی کا چارٹر جسے ''میگنا کارٹا'' کہا جاتا ہے، جو ۱۲۱۵ء میں نافذ العمل ہوا۔
(۲) فرانس کا اعلانِ حقوقِ انسانی۔ ۱۷۸۹ء
(۳) امریکہ کا چارٹر آف رائٹس۔ بابت ۱۷۹۱ء
(۴) انجمن اقوام متحدہ (U.N.O) کا چارٹر، مرتّبہ ۱۹۴۸ء

یہ سب کے سب اسلام کے حقوقِ انسانی کا عکس ہیں۔

آخر میں عصرِ حاضر کے داعی رجوع الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ مستعار لیتے ہوئے اپنی اس تحریر کا اختتام کر رہا ہوں —— حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر مبنی جو معاشرہ دورِ نبویؐ اور دورِ خلافت راشدہ میں قائم ہوا تھا اور اُس نے ادائے حقوقِ انسانی کی جو اعلیٰ و روشن اور ابدی و لازوال مثالیں قائم کی تھیں وہ آج متفق علیہ اقدار کی حیثیت سے انسان کے اجتماعی ضمیر کا جزوِ لاینفک بن چکی ہیں اور عہدِ حاضر کا انسان ان کو حاصل (achieve) کرنے اور پھر سے حقیقی جامہ پہنانے (realize کرنے) کے لیے علّامہ اقبال کے ان پُرشکوہ الفاظ کے مطابق ہاتھ پاؤں مار رہا ہے کہ ؎

ہر کُجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آن کہ از خاکش بروید آرزو (باقی صفحہ 90 پر)

تلاوتِ دین یا اقامتِ دین!

عامرہ احسان

دعائے تکمیلِ قرآن کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کا ہمارے حق میں اس دنیا میں امام (رہ نما) ہونا' نور' ہدایت' رحمت بنا دیا جانا مانگتے ہیں (وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً) اور آخرت میں قبر کی وحشتوں کا مونس' ساتھی اور غم خوار' نیز اپنے حق میں شہادتِ قاطع ہونے کے لیے درخواست گزار ہوتے ہیں (وَاجْعَلْهُ لَنَا حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ)۔ ہر مسنون دُعا ہمارے لیے ایک ایجنڈا بھی ہے۔ تلاوتِ قرآن کے ساتھ ہم خود عملاً انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسے امامت کے منصب پر فائز کریں گے' نور (روشنی' رہنمائی) یعنی فتنوں بھری تاریک دُنیا میں اسی سے راستہ تلاش کریں گے تو اللہ تعالیٰ رُشد و ہدایت اور رحمت کے دنیا و آخرت کے سارے دروازے ہم پر کھول دے گا۔ ان شاء اللہ!

ہر دور میں قرآن کا عملی زندگی میں نفاذ ہم پر فرض رہا' بحیثیتِ مسلمان اور بحیثیتِ اُمّت' لیکن اس دَور میں قرآن سے چمٹنے ——— ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (آلِ عمران:۱۰۳) ''تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو' اور ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ﴾ (الحج:۷۸) ''تم سب مل کر اللہ سے وابستہ ہو جاؤ!'' ——— کی تاکید اہم تر ہو جاتی ہے۔

ترمذی میں سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ((اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ)) ''خبردار رہو! عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے!'' مَیں نے عرض کیا: مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كِتَابُ اللّٰهِ' فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ' هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ' مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ ' وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ ' وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ ' وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ'

وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ.....))

''کتاب اللہ۔ اس میں اس چیز کی بھی خبر ہے کہ تم سے پہلے کی قوموں پر کیا گزری' اور اس بات کی بھی خبر ہے کہ تم سے بعد آنے والوں پر کیا گزرے گی۔ اور اس چیز کا ذکر بھی ہے کہ تمہارے معاملات کے درمیان فیصلہ کرنے کی کیا صورت ہے۔ یہ قرآن ایک فیصلہ کن کلام ہے' کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ جو کوئی ظالم اور جبار شخص اس قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو کچل کر رکھ دے گا' اور جس نے اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی اللہ اُسے گم راہ کر دے گا۔ اور یہ قرآن اللہ کی ایک مضبوط رسّی ہے' اور یہ حکیمانہ نصیحت ہے' اور یہی سیدھا راستہ ہے....''

آج دنیا میں مسلم اُمّت کی بالعموم اور پاکستان کی بالخصوص خواری و درماندگی اور کچلے جانے کی وجہ قرآن کی تلاوت پر اکتفا' اسے عملی زندگی سے دور اٹھا کر اوپر رکھ دیے جانے اور زندگی کی راہیں کفر سے پوچھ پوچھ کر طے کرنے کی بنا پر ہے۔ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیں گم راہ کر دیا۔ اور از روئے قرآن:

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝۸۸﴾ (النساء)

''اور جسے اللہ گم راہ کر دے تم ہرگز اُس کے لیے کوئی راہ نہیں پاؤ گے۔''

جس دین کو اللہ نے نافذ اور قائم کرنے کے لیے بصورتِ احکام قرآن میں نازل فرمایا اس کا ہر حرف' کلام اللہ ہونے کی بنا پر خیر کے خزانے لیے ہوئے ہے۔ ہم نے صرف تلاوت کا اجر لینے پر اکتفا کیا۔ مُردوں پر پڑھنے کو اُٹھا رکھا۔ امتحان دے کر (دُنیا سے) جو واپس گھر جا رہا ہے' دارالعمل سے دارالجزاء کی طرف' کمرۂ امتحان سے نتیجے کو وصول کرنے' اسے ہم پڑھ کر سنا رہے ہیں (حکم) ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾۔ یعنی ''اٹھو' اٹھ کر نماز پڑھو' زکوٰۃ دو''۔ حالانکہ اب تو مُردے پر (زندگی بھر اُس نے نماز پڑھی یا نہیں) نماز (جنازہ) پڑھ دی جائے گی اور اس کا مال تو وارثوں میں تقسیم ہو چلا۔ اب اُسے قرآن کے احکام یاد دلا رہے ہو؟ وہ تو سورۃ قٓ کی اس آیت سے بھی گزر چکا:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝۱۹﴾ (قٓ)

''اور موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی۔ یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا۔''

ایک وکیل' ایک جج یا وزیرِ قانون کی موت کے بعد اس آیت کا پڑھا جانا (ختمِ قرآن میں چھٹا پارہ بھی تو پڑھا جائے گا): ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ:۸)

''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو'' اور آگے فساد فی الارض کی سزا و دیگر قوانین کا بعد از موت تلاوت کیا جانا کیسا ہے؟ یہ اُس کے خلاف گواہی تیار ہوگی۔ کیوں کہ تلاوت قرآن کی اور اقامت (قائم کیا جانا) انگریز کے بنائے ہوئے قانون' تعزیراتِ پاکستان کی! زندگی بھر تلاوت بغرضِ اقامتِ دین' اقامتِ قرآن' نفاذِ قرآن فرض تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مکرم دل ﷺ پر نازل کیا۔ نزول کی غرض اور تفصیل کو قرآن میں بار بار دہرایا گیا:

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ (البقرہ)

''جس طرح (تمہیں اِس چیز سے فلاح نصیب ہوئی کہ) ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا' جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے' تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے' تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔''

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾﴾ (آلِ عمران)

''درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اُس کی آیات انہیں سناتا ہے' اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔''

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾﴾ (الجمعہ)

''وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود اُنہی میں سے اٹھایا' جو اُنہیں اُس کی آیات سناتا ہے' اُن کی زندگی سنوارتا ہے' اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

ان آیات میں انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لیے چار اہم اور بنیادی

باتوں کو دہرایا گیا ہے:

(۱) تلاوتِ قرآن
(۲) اس کے ذریعے عملی زندگی (انفرادی و اجتماعی) کا مکمل تزکیہ
(۳) قرآن کی تعلیم (جس میں تھیوری اور پریکٹیکل یعنی نفاذ' دونوں شامل ہیں) اور
(۴) حکمت یعنی سُنّت کی تعلیم۔

سُنّتِ مطہرہ صرف داڑھی اور مسواک نہیں' اسلامی قوانین کا نفاذ اور جہاد بھی قرآن و سُنّت ہی ہے۔ تلاوت کی غرض و غایت ہی اقامتِ دین ہے اور دین' اللہ نے بھیجا ہی غلبہ و اقتدار کے لیے ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں مذکور انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج ہی کی طرح بعثتِ نبویؐ کا مقصد بھی تاکیداً قرآن نے تین مرتبہ دہرایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ (التوبۃ)

''وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے تمام ادیان (طرزہائے زندگی) پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو ناگوار ہی ہو۔''

یہی آیت الفتح: ۲۸ اور الصّف: ۹ میں دہرائی گئی ہے۔

دین صرف تلاوت کے لیے نہیں آیا۔ قرآن صرف سفارش' وعظ اور نصیحت نہیں ہے' بلکہ خبردار کرتا ہے: ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر: ۳) ''خبردار! خالص' بے آمیز اطاعت و بندگی (الدِّین) صرف اللہ کا حق ہے۔''

''الدِّین'' یعنی غلبہ و اقتدار صرف اللہ کا حق ہے۔ ''الدِّین'' یعنی سیاست و فرماں روائی صرف اللہ کا حق ہے۔ ''الدِّین'' یعنی دوسروں پر فیصلے نافذ کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ ''الدِّین'' یعنی مکمل طریق زندگی وضع کرنا (تشریع' قانون سازی) صرف اللہ کا حق ہے اور وہی قرآن ہے۔

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آلِ عمران: ۱۹)

''بے شک اللہ کے نزدیک زندگی گزارنے کا طریقہ اسلام ہی ہے۔''

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾﴾ (آلِ عمران)

''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے اُس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا' اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''

اس بنا پر تاکیداً یہ حکم سورۃ الشوریٰ میں دیا گیا ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳﴾

''اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا' اور جسے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے' اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دے چکے ہیں' اِس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اِس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات اِن مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے' اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اُسی کو دکھاتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرے۔''

اس پوری بات کو سمجھ لیں اور عمل پیرا ہو جائیں تو مقاصدِ نزولِ قرآن پورے ہوں گے اور ان شاء اللہ قرآن اُس دن ہمارے حق میں گواہ ہوگا جب ہم سے زیادہ اس گواہی کے لیے مجبور و لاچار کوئی نہ ہوگا۔ ؎

اوروں کا ہے پیام اور' میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے!

آج ملک بھر میں دین پڑھا' پڑھایا' پھیلایا جا رہا ہے' لیکن وہ اس پورے پیغام کے حوالے سے نہایت تشنہ بلکہ اس سے عاری ہے' یک سر مختلف ہے۔ بسا اوقات گمان ہونے لگتا ہے کہ اسلام' اسلام کھیلا جا رہا ہے (بصد معذرت!) یہ آیت حکم ہے' کسوٹی ہے: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ ''اِس دین کو قائم کرو''۔ آج اسلام کے اتنے غلغلے کے باوجود اسلام' مسلمان اتنا کم زور اور مغلوب کیوں ہے؟ جیسے بچہ کھا کھا کر بے حال ہو رہا ہو' لیکن بستر سے اٹھنے کی سکت نہ رکھتا ہو۔ جسم پھیل جائے' قد بڑھ جائے' لیکن کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو' لڑکھڑا کر گر جائے۔ اسلام آج کس

حال میں ہے؟ کھڑا ہے؟ بیٹھا ہے؟ لیٹا ہے؟ جاگ رہا ہے؟ سو رہا ہے؟ پاکستان کو دیکھ لیجیے۔ عالمِ اسلام کو دیکھ لیجیے۔ اسلام بعض جگہ (عیاذاً باللہ) کومے کی حالت میں ہے۔ بعض جگہ سو رہا ہے' اٹھانے کی کوشش کریں' کروٹ بدل کر سو جائے گا۔ اسے جاگنے' اٹھنے کی اجازت بھی نہیں۔ حکمران اسے مسلسل بے ہوشی رنیند کی دوا (حسبِ توفیق) دے کر سلانے' تھپکنے پر مامور ہیں۔ خوبصورت قرآن کی طباعت' قراءت' ترجمہ' تجوید سب جاری ہیں' لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ یاد کیجیے۔

سیدنا زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خوف ناک چیز کا ذکر کیا اور پھر فرمایا: ''ایسا اُس دن ہوگا جب کہ (دین کا) علم مٹ جائے گا''۔ تو مَیں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کیوں کر مٹ جائے گا' جب کہ ہم قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھا رہے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنی اولاد کو پڑھاتے رہیں گے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خوب اے زیاد! مَیں تو تمہیں مدینے کا انتہائی سمجھ دار آدمی سمجھتا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کی کتنی تلاوت کرتے ہیں' مگر ان کی تعلیمات پر کچھ بھی عمل نہیں کرتے؟'' (ابن ماجہ)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو: ''تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر وہ فتنہ مسلّط ہوگا جس میں تمہارے چھوٹے بچے بڑے ہوں گے اور بوڑھے اپنی انتہا کو پہنچیں گے اور فتنہ (گم راہی) کو سُنّت (بھلائی) سمجھا جانے لگے گا۔ اگر کوئی شخص فتنے کو ہٹانے کے لیے اٹھے گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ شخص ناپسندیدہ اور برا کام کر رہا ہے''۔ کسی نے پوچھا: ایسی حالت اُمّت پر کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب تمہارے اندر ایمان دار اور لائقِ اعتماد لوگ کم ہو جائیں گے اور اقتدار کی ہوس رکھنے والے زیادہ ہو جائیں گے۔ دین کے واقعی علماء کم ہو جائیں گے اور دین کے پڑھنے والے زیادہ ہو جائیں گے۔ دین کو دنیا حاصل کرنے کے لیے پڑھا جانے لگے گا۔ لوگ نیک کام کریں گے' لیکن اس سے مقصد دنیا کا حصول ہوگا۔'' (ترغیب و ترہیب)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک منافق کے بارے میں میں) فرمایا: ''اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن مزے لے لے کر پڑھیں گے لیکن قرآن مجید ان کے گلے سے نیچے نہیں اُترے گا اور وہ دین سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے باہر نکل جاتا ہے۔'' (بخاری)

معاشرے کی طرف نگاہ دوڑائیے۔ایک طرف قربِ قیامت کی علاماتِ صغریٰ پوری ہورہی ہیں۔انسانی جسموں میں شیطانی دل رکھنے والے حکمران (مسلم)‘ ہرج یعنی قتل و غارت گری‘ خوں ریزی (مسلم)‘ دین وایمان کو دنیاوی اموال اور اغراض ومقاصد کے عوض بیچ دینا (ترمذی)‘ کفار کا مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑنا جیسے بھوکا دسترخوان پر (ابوداؤد)‘ شرک کا بہت بڑھ جانا (ابوداؤد)‘ زنا کاری کا عام ہوجانا‘ امانت کا ضائع کیا جانا‘ معاملات نا اہلوں کے سپرد ہونا (بخاری)‘ شراب اور گانے بجانے کا عام رواج (کوئی کام آج گائے بجائے بغیر نہیں۔بچہ چلے تو جوتا بجے!) (ابنِ ماجہ)‘ لباس پہن کر برہنہ دکھائی دینے والیاں‘ خود رتجھنے‘ دوسروں کو رجھانے والیاں (سڑکوں‘ بازاروں‘ دفاتر‘ کوچوں‘ ہوائی جہازوں‘ بل بورڈوں‘ چوکوں‘ چوراہوں میں موجود) (مسلم)‘ فحاشی وعریانی کا عام ہوجانا (مسند احمد)‘ اندھیری رات کی مانند فتنوں کا ظہور‘ آدمی صبح مؤمن ہوگا اور شام کافر‘ شام کو مؤمن‘ صبح کو کافر (مسلم)۔

دوسری جانب دیکھیے تو گلی گلی قرآن فہمی کے حلقہ ہائے دروس‘ سرٹیفکیٹ‘ سندیں‘ لاکھوں اہلِ ایمان کے مجمعے۔پھر بھی مساجد خالی‘ طوفان ہائے عریانی وفحاشی‘ ویلنٹائن ڈے‘ بسنت‘ امریکہ کی چیرہ دستیاں سب جوں کی توں‘ گویا ملک میں کوئی قرآن آشنا‘ قرآن بدست‘ رجلِ رشید کہیں موجود ہی نہیں۔ایسا کیوں ہے؟ دین آشنا طبقے نے اقامتِ دین‘ غلبۂ دین‘ آیاتِ جہاد کو مؤخر کر دیا‘ پسِ پشت ڈال دیا اور علم دین‘ تلاوتِ دین پر اکتفا کرلیا‘ کیوں کہ کفر اقامتِ دین کی اجازت نہیں دے رہا۔اب تو تمام ہی جماعتیں ریورس گیئر لگا کر مکی دور میں جا بیٹھیں اور مکّی دور بھی دعوتِ ذو العشیرہ سے آگے نہیں بڑھا۔لہٰذا دعوت ہائے طعام‘ نیکوکاروں‘ پرہیزگاروں‘ صالحین کو کھلانے کی فضیلتوں کے ساتھ تمام دینی دائروں میں ہر جگہ جاری وساری ہے۔

حالانکہ نبی اکرم ﷺ مکّی ومدنی اَدوار کی تکمیل کر کے اقامتِ دین یوں کر چکے کہ پورا جزیرہ نمائے عرب‘ ایران وروم کی سلطنتیں مسخر ہوگئیں۔اسلام کا پیغام تمام براعظموں میں پھیل چکا۔وسط ایشیائی ریاستوں تا انڈونیشیا‘ افریقہ تا یورپ۔اندازہ کیجیے کہ ایک انسان جب بلوغت کے تمام مراحل طے کر کے ۳۰ کا سال جوان ہوجائے تو پھر کیا وہ بچپن کی طرف لوٹے گا؟ یکا یک نپی پہنے‘ فیڈر‘ چوسنی‘ انگوٹھا چوسنے لگے تو آپ اسے دیوانہ جانیں گے۔دین نہ صرف قائم ہو چکا بلکہ ۱۹۲۴ء تک خلافتِ عثمانیہ کی صورت شریعت دنیا پر حکمران رہی۔صرف جہاد سے جان چھڑانے

بچانے کی خاطر وحیدالدین خان کی مانند دین کے تمام تر مطالب ومفاہیم بدل دیے جائیں؟ یہ دور جہاد کا نہیں؟ جب دجال کا فتنہ سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے تو کیا دجال کو قتل کر دیے جانے کے بعد جہاد فرض ہوگا؟

سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ کی تلاوت دوبارہ برائے اقامتِ دین کیجیے‘ بات واضح ہوجائے گی۔ ﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ اسی نے مقرر کیا تمہارے لیے۔﴿مِّنَ الدِّيْنِ﴾ دین کا وہ طریقہ‘ قاعدہ‘ ضابطہ یعنی نبی اکرم ﷺ کے واسطے سے پوری اُمّت اور پھر پوری دنیا کے انسانوں کے لیے زندگی گزارنے کا ڈھنگ‘ ضابطہ اللہ نے مقرر کر دیا۔تشریع یعنی قانون سازی (Legislation)‘ شریعت یعنی اللہ کا عطا کردہ قانون (Law) اور شارع یعنی قانون ساز (Law Giver)۔یہ تینوں اللہ ہی کا حق ہے۔﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (الاعراف:۵۴) ”خبردار مخلوق اللہ کی ہے‘ اس پر حکم (قانون) اللہ ہی کا چلے گا‘ نافذ ہوگا۔“

حاکمیتِ الٰہی ہی کلمہ ”لا الٰہ الا اللہ“ میں مضمر ہے۔اسلام انسانوں سے تمام اختیارات سلب کر کے اللہ کو منتقل کرتا ہے۔خلافتِ اسلامیہ میں امیر کو نہ قانون سازی کا حق ہے نہ حکم وحکومت کا۔ وہ صرف قانونِ الٰہی کی تنفیذ (نافذ کرنے) کا ذمہ دار ہے۔خلیفہ کی عظمت کا معیار اس کی خداخوفی اور پابندیٔ قانونِ الٰہی ہے۔اسلام آسمانی بادشاہت اور زمینی بادشاہت کی یکجائی ہے۔آیت الکرسی‘ اللہ کے اختیار واقتدارِ کُلّی کو بیان کرتی ہے۔اُس کی بادشاہت واقتدار تکوینی اعتبار سے پوری کائنات پر قائم ہے: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ لیکن اس زمین پر تشریعی اعتبار سے یہ امتحان ہمارا ہے کہ ہم اللہ کی حاکمیت قائم کریں۔اسی کا انعام جنّت ہے۔بات صرف نماز‘ روزہ‘ ذکر‘ اذکار‘ حج‘ طواف کی نہیں۔یہ سب کام تو فرشتے بھی کر رہے ہیں۔رکوع وسجدہ وقیام بھی۔ہم تو روزہ افطار کر لیتے ہیں‘ وہ تو دائماً حالتِ صیام میں ہیں۔”بیت معمور“ کا طواف بھی جاری ہے‘ اللہ کی حمد وتسبیح بھی جاری ہے۔ہمارا کام اس سے آگے کا ہے۔ ؎

مقامِ بندگی دیگر‘ مقامِ عاشقی دیگر
زنوری سجدہ می خواہی‘ زخاکی بیش ازاں خواہی!
چناں خود را نگہ داری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود زخونِ دوستاں خواہی!

(مقامِ بندگی اور ہے‘ مقامِ عاشقی اور۔ اللہ اپنی نوری مخلوق (فرشتوں) سے صرف سجدہ چاہتا ہے‘ لیکن خاکی انسان سے اس سے کہیں بڑھ کر چاہتا ہے! اگرچہ تُو خود بے نیاز ہے لیکن چاہتا ہے کہ تیرے عاشق اپنے خون سے تیری توحید کی گواہی رقم کریں۔)

ہمارا کام اس عالمی گاؤں (Global Village) پر نفاذِ قرآن ہے۔ دین کا جھنڈا گاڑنا ہے: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ ’’یہ کہ قائم کرو اس دین کو‘‘۔ ہمارا اصل مشن ہے:

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
مَیں اسی لیے مسلماں‘ مَیں اسی لیے نمازی!

لیکن یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہمارے ہاں قانون‘ قانون سازی کا ذکر ہو تو فوری تصوّر موجودہ نظامِ قانون کے تحت اسمبلی‘ سینیٹ‘ پارلیمنٹ‘ وکیل‘ جج اور عدالت کا آتا ہے۔ جس عمارت کے باہر تو کلمۂ طیّبہ لکھا ہوا ہے لیکن اندر حکمرانی رومن لاء کی بنیاد پر تعزیراتِ پاکستان کی ہے‘ قرآن وسُنّت کی نہیں۔ مولوی صاحب اس کا اجلاس شروع کرنے کے لیے رسماً تلاوتِ قرآن تو کر سکتے ہیں لیکن اقامتِ دین کا ان ایوانوں اور غلام گردشوں میں گزر نہیں۔ تلاوت قرآن کی اور حکمرانی مغربی جمہوریت کے تحت ملکہ برطانیہ والے رومن لاء کا ماخذ رکھنے والے قوانین کی؟ کون سا روم؟ وہی جنگِ موتہ‘ غزوۂ تبوک‘ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندا جانے والا‘ اجنادین اور یرموک کے معرکوں والا روم! انگریز نے ہمارے ہاں قاضیوں کا نظام‘ قانونِ شہادت‘ حدود اللہ کا نفاذ سب اکھیڑ ڈالا۔ توحیدِ حاکمیت کی اس نفی پر ہی سورۃ الشوریٰ کی ابتدائی آیات دیکھیے:

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ (الشوریٰ:۵)

’’قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں‘ جب کہ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر رہے ہیں اور زمین والوں کے حق میں درگزر کی درخواستیں کیے جاتے ہیں۔‘‘

یہ اللہ کی حاکمیت کا انکار‘ انسانوں کی سرکشی اور بغاوت پر فرشتوں کی طرف سے استغفار اور درگزر کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لینے کی جسارت بہت بڑی ہے۔ قبل ازیں شرک کے ارتکاب پر سورۃ الکہف اور سورۃ مریم میں یہی پیرایہ بیان ہے:

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝﴾ (مریم)

’’قریب ہے کہ اس قول (شرک) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔‘‘

اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی اور اختیار عطا کر دیا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور ہم مسلمان جو حاملِ قرآن اور زمین پر خدا کا آخری پیغام دے کر بھیجے گئے تھے‘ ہم ان جاہلوں کے ساتھ مل کر جاہل ہو گئے۔ آج ہر جگہ مغربی جمہوریت کا غلغلہ ہے۔ اچھے بھلے دیندار مسلمان بھی اس کے اسیر ہیں۔ یہ اپنی جگہ ایک الگ اور مکمل موضوع ہے‘ لیکن مختصراً یہ نظام خلافتِ الٰہیہ کی عین ضد ہے۔ انسان پر انسان کی حکمرانی کا دعویدار ہے: ’’انسانوں کی حکومت‘ انسانوں کے ذریعے‘ انسانوں کے لیے‘‘۔ اسے اسلامی بنانا یا سوشل ازم‘ کیپٹل ازم‘ سیکولرازم کے ساتھ اسلامی کا لاحقہ لگانا یکساں طور پر مہمل‘ مضحکہ خیز ہے۔ گویا پھر اسلامی عیسائیت اور اسلامی یہودیت بھی ہو سکتی ہے!!

موجودہ نظام میں احکامِ قرآن اور اقامتِ دین کی کسمپرسی ملاحظہ ہو! چور کا ہاتھ کاٹ دینے کی سزا‘ قرآن کا حکم عین اس طرح فرض ہے جیسے اقامتِ صلوٰۃ۔ کسی مقدّمے میں عدالت میں چوری کا جرم ثابت ہو جانے پر اس سزا کے نفاذ کا مطالبہ قرآن کی آیتِ مذکورہ پڑھ کر کیا جائے تو جج صاحب فرمائیں گے کہ یہ مسجد میں نماز میں‘ تراویح میں تو تلاوت ہو سکتی ہے‘ لیکن یہاں فیصلہ تعزیراتِ پاکستان کے مطابق ہوگا۔ آپ تشریف لے جائیے‘ عدالت کا وقت ضائع نہ فرمائیے۔ اگر اس آیت کا نفاذ مطلوب ہے تو پارلیمنٹ میں جائیے۔

اب اگلے مراحل دیکھیے۔ اگرچہ آئین کہتا ہے کہ قرآن سپریم لاء ہے‘ لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ عملاً پارلیمنٹ ہی سپریم ہے۔ چوری کے بارے میں اس حکم کا نفاذ مطلوب ہے؟ پارلیمنٹ میں کوئی ممبر بل پیش کرے گا۔ پھر وہ وزارتوں‘ کمیٹیوں کی نذر ہوگا۔ پھر اسمبلی اور سینیٹ میں بحث ہوگی۔ اس پر اکثریت حاصل کرنے کے لیے ووٹنگ ہوگی۔ اسے ان تمام پیچیدہ مراحل سے گزرتے ہوئے آگے پیچھے آنا جانا ہوگا۔ ترامیم پیش ہوں گی (حکم قرآنی میں!) ان مراحل میں مسلم وغیر مسلم ارکان برابر شریک ہوں گے۔ بالآخر ان مراحل سے پار ہو گیا تو صدر صاحب کی تائید اور دستخط درکار ہوں گے۔ (اس دوران امریکہ‘ مغرب کے میڈیا کا واویلہ پس منظر کی بلند آہنگ موسیقی کے طور پر چلے گا!) اور پھر قرآن کا ایک قانون‘ تلاوت سے نکل کر اقامتِ دین کا مرحلہ سر کرے گا‘ قانونی شکل اختیار کرے گا‘ Act بن جائے گا۔ نفاذِ قرآن کے لیے ہر حکم کو یہی تمام مراحل سر کرنے‘ ارکانِ پارلیمنٹ‘ وزارتوں کی منّت سماجت (استغفر اللہ!) سے گزرنا پڑے گا‘ جن کی

تائید‘ تصدیق‘ تردید کے آگے یہ تمام قرآنی احکام‘ عیاذاً باللہ‘ بے بس ہوں گے۔ سود (ربا کیس) کی حرمت کے لیے قانون سازی کی عملی مثال موجود ہے جو آج بھی معلق و معطل ہے۔ مُلّا عمرؒ نے افغانستان میں خلافت قائم کی تو لمحہ بھر میں قرآن ملک بھر کا آئین بن گیا اور چار سالہ حکمرانی کے دوران جنگوں سے تلپٹ ملک مثالی امن وسکون کا گہوارہ بنا رہا اور کفر کے لیے اتنا بڑا خطرہ تھا کہ اسے تباہ کرنے کو حملہ کر دیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے مکی دور میں ہی دارالہجرت کی تلاش شروع کر دی تھی۔ سورۃ الشوریٰ مکی سورت ہے اور ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ کا حکم پا کر اس سرزمین کی تلاش شروع ہوئی جہاں اسلامی ریاست قائم اور قانونِ الٰہی کا نفاذ ممکن ہو۔ حج کے ایام میں قبائل سے گفتگو‘ ہجرتِ حبشہ‘ طائف کا سفر سب اسی لیے تھے۔

ادھر ہم ہیں کہ ۱۹۲۴ء میں سقوط کے بعد جب خلافت کی بحالی ۱۹۹۶ء میں مُلّا عمر کی حکومت سے ہوئی تو ہم نے مغضوب اور ضالین (یہودی اور عیسائی یعنی امریکہ اور نیٹو) کے ساتھ مل کر ’’دہشت گردی‘‘ (اسلام‘ اہلِ ایمان‘ جہاد‘ امارتِ اسلامیہ) کے خلاف اتحاد میں صرف اتحادی نہیں بلکہ صفِ اول کے اتحادی (front line state) اور صلیبی فوج کا ہراول دستہ بن کر خلافت کو روئے زمین سے مٹا ڈالنے کا جرمِ عظیم کیا۔ اس جرمِ عظیم اور فراعنہ کا ساتھی بننے پر آسمان ہم پر پھٹ پڑے‘ زمین شق ہوگئی۔ ہم کیڑے مکوڑے‘ بھُنگے‘ پتنگے بن کر زلزلے‘ سیلابوں کا شکار ہوئے‘ مچھر ہم پر چھوڑ دیے گئے‘ لیکن ہم اپنا جرم باور کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ یہ گناہ نہ سرزد ہوتا اگر ہم نے محض تلاوت پر کئی دہائیوں تک اکتفا نہ کیا ہوتا۔ اللہ سے اقامتِ دین کے وعدے پر ملک لے کر تلاوتِ دین تک بھول بیٹھے! قانون‘ معاشرت‘ معیشت‘ سیاست‘ ذرائع ابلاغ‘ تعلیم غرض ہر خانہ‘ دین سے یکسر خالی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تعزیراتِ پاکستان کی تلاوت (reading) کو رواج دے دیا جائے اور عدالتوں وزارتوں میں قرآن کا نفاذ ہو؟ لیکن چہ بوالعجبی است کہ قرآن کی تلاوت ہو اور تنفیذ ہر جگہ نظام ہائے کفر کی ہو! ہم اللہ سے باغی ہیں‘ طاغی ہیں۔ خود طاغوت بنے ہر جگہ اپنے حکم چلا رہے ہیں۔ (سورۃ الشوریٰ‘ تفہیم القرآن‘ حاشیہ نمبر ۲۰ میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شرح وبسط سے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے!)

دنیا کے قانون کا نفاذ اور اللہ کے قانون کے نفاذ اور اثر پذیری میں جو فرق ہے وہ تقابلی

مطالعے میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اسلام انسانی شخصیت کی تعمیر توحید‘ رسالت‘ آخرت کے گہرے پختہ عقیدے پر کرتا ہے۔ اللہ کی صفات [السَّمِیْع‘ الْبَصِیْر‘ اللَّطِیْف (باریک بین)‘ ﴿عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾‘ ﴿اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (شہ رگ سے قریب تر)] پر ایمانِ کامل عطا کرتا ہے۔ مسلمان یہ جانتا ہے کہ اللہ سے چھپنا ممکن نہیں۔ محمد ﷺ کی تعلیم حرفِ آخر اور اللہ کے حضور اعمال کا پیش کیا جانا‘ انجام کار دوزخ یا جنّت۔ یہ مسلمان کی تعلیم کے بنیادی اجزاء ہیں۔ آخرت کی خاطر سب کچھ چھوڑا جا سکتا ہے۔

اب امتناعِ شراب کے قانون کا نفاذ دونوں جگہ دیکھیے۔ امریکی کانگریس نے ۱۹۳۰ء میں شراب پر پابندی لگائی‘ کروڑوں ڈالر پھونک ڈالے‘ لیکن قانون کی تعمیل نہ ہو سکی۔ زیرِ زمین خفیہ کارخانے‘ مضرِ صحت غیر قانونی شراب تیار کرنے کے جال بچھ گئے۔ قانون شکنی ان حدوں کو چھونے لگی کہ تنگ آ کر یہ قانون چار سال سر مارنے کے بعد آخر کار واپس لینا پڑا۔ ساری پولیس‘ تھانے‘ جیلیں‘ آرڈی نینس‘ سزائیں‘ جرمانے ناکام ہو گئے!

ادھر مسلمانوں کے لیے شراب کی بندش کے لیے دو ابتدائی مختصر تبصرے قرآن میں آئے۔ اور تیسری مرتبہ شراب کو ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ﴾ ’’گندی باتیں‘ شیطانی کام‘‘ بتا کر حکم دیا: ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ ’’باز رہو‘ پرہیز کرو‘ بچو!‘‘ پھر پوچھا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (المائدۃ:۹۱) ’’کیا تم باز رہو گے؟‘‘ اور بغیر کسی جبر و اکراہ‘ ڈنڈے‘ تھانے‘ جیل‘ پولیس اور جرمانے کے جواب آیا: ’’ہم باز آ گئے یا ربّ العالمین!‘‘ (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پکار) اور تاریخ کے صفحات پر وہ حیران کن مناظر ثبت ہوئے کہ شراب مدینے کی گلیوں میں بہہ نکلی‘ مٹکے توڑ ڈالے گئے‘ صرف ایک ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ کے حکم پر! مہنگی شراب‘ رگ و پے میں رچی شراب کی محبّت‘ طلب‘ نشہ ہرن کرنے کو قرآن کا ایک حکم کافی تھا! یہ ہے اقامتِ دین!

یہاں تو مغضوب‘ ضالین کی نامراد ’’پیپسی اور کوک‘‘ چھڑانی محال ہے‘ جس کے پیسے مسلمانوں کی جیب سے نکل کر ان کی معیشت کو اَن گنت دوسری اشیاء کی طرح قوی کرتے اور گولیاں میزائل بن کر مسلمانوں ہی پر جا برستے ہیں!

قرآن حکیم جتنے احکام دے رہا ہے‘ قصاص‘ زنا‘ قذف‘ چوری کی حدود‘ ان کی سزا‘ تلاوت کر کے‘ مصحف چوم کر‘ ترجمہ یاد کر کے‘ حسنِ قراءت کے ساتھ داد وصول کر کے طاق میں رکھ

دینے کے لیے نہیں ہے۔ محض تلاوت نہیں‘ اقامت مطلوب ہے: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ کہ دین کو قائم کرو اور باہم متفرق نہ ہو جاؤ۔ گویا اللہ ربّ العزت ہمیں اقامتِ دین کے ساتھ منتشر‘ پارہ پارہ نہ ہونے کا حکم دیتا ہے۔ وہ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتا ہے؟

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴﴾

”بے شک اللہ تو اُن لوگوں سے‘ محبّت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر (باہم پیوست و مربوط کفر کے خلاف) جہاد کرتے ہیں۔“

یہ منظر صرف میدانِ جہاد میں ہے جہاں تمام دینی جماعتوں‘ تمام رنگ و نسل‘ زبان اور قومیتوں کی نمائندگی ہے‘ لیکن سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند اخوت و محبّت میں پروئے ہوئے ہیں۔ انہی پر اللہ کی مدد کا نزول ہوتا ہے۔ یہی اقامتِ دین کے لیے ایستادہ طائفہ منصورہ ہے جن کے لیے اللہ نے کہا: ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۱۷۳﴾ (الصّٰفّٰت) ”یہ ہمارا لشکر ہے‘ یہ غالب ہو کر رہے گا“۔ اللہ کا لشکر ۴۸ ممالک کی محیّر العقول سائنس اور ٹیکنالوجی کو شکستِ فاش دے کر پوری انسانی تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ رقم کر گیا۔ ہم تلاوتِ دین کرتے رہ گئے‘ اقامتِ دین والے غٰلِبُوْنَ‘ مُفْلِحُوْنَ‘ فَائِزُوْنَ ہو گئے! (ہمارے ذمے تو پوری دنیا کو ”پاکستان“ بنا کر پاک کرنا تھا‘ ہم اپنے ملک کو بھی صوبہ در صوبہ بکھیرنے کے درپے ہیں!)

سادہ سا اصول سمجھ لیجیے۔ کافر جس دین‘ عمل پر جس درجہ راضی ہے وہ اللہ کے ہاں اسی تناسب سے ناقابلِ قبول ہے۔ دین کا اصل رنگ غالب آتا جائے گا تو کفر غضب ناک اور اللہ راضی ہوتا جائے گا۔ امریکی سفیر منٹر خود مزاروں پر جا کر چادریں چڑھا رہا ہے‘ دیگیں اور فنڈ دے رہا ہے کہ یہ اُس کی پسند کا اسلام ہے۔ جہاں اقامتِ دین ہوئی (افغانستان) وہاں امریکیوں نے میزائلوں سے زمین ادھیڑ ڈالی۔ ادھر ہمارے ہاں چادریں چڑھائیں! اسی طرح لڑکی جین‘ ٹی شرٹ پہنے ہو تو کفر راضی اور اگر وہ لباس بدل لے‘ جیسے جیسے لباس سورۃ النور‘ سورۃ الاحزاب کی شرائط پوری کرے گا‘ کفر کے ماتھے پر بل پڑیں گے‘ چہرہ بگڑتا جائے گا۔ مکمل حجاب و نقاب‘ پردے پر وہ غصے سے دیوانہ ہو جائے گا (سرکوزی‘ فرانسیسی صدر کی طرح) بس یہی اصل اسلام ہے۔ یہ لٹمس ٹیسٹ ہے۔ زندگی کے ہر دائرے‘ تعلیم‘ تہذیب‘ معاشرت ان سب میں کفر جتنا ناراض اللہ اتنا راضی۔ جنّت اتنی قریب‘ دوزخ اتنی بعید! تلاوتوں کو اقامتوں میں ڈھالتے جایئے

تو دنیا پُرسکینت اور آخرت میں رب کی رضا۔ ان شاء اللہ! یہی قرآن فہمی کا مقصود ہے۔

”جہاد“ جسے پوری مسلم دنیا کے نصابوں سے نکال دیا گیا‘ مساجد میں جن آیات کی تلاوت سے گریز کیا جانے لگا‘ اس کی فرضیت کی غرض بھی اقامتِ دین ہی ہے۔ روئے زمین پر کلمۂ توحید کے بعد پہلا فرض یہی ہے۔ یقین نہ آئے تو قرآن سے کلمے کے عہدِ بندگی کو استوار کرنے والی آیت کا تسلسل دیکھ لیجیے۔ بات واضح ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ﴾ (التوبۃ:۱۱۱)

”بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کے جان اور مال جنّت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنّت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ عہد ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔“

یعنی کلمے کے ساتھ ہی اللہ نے تفصیل بتا دی۔ معرکۂ حق و باطل کے کارزار میں اتارا جہاں حق (بنا ہی اس لیے ہے کہ اس) نے باطل کے سر پر چوٹ لگانی تھی‘ اُس کا بھیجا نکال دینا تھا اور اُسے مٹا ڈالنا تھا (الانبیاء)۔ مؤمن سے اس اکھاڑے میں اترنے سے پہلے جان اور مال اللہ نے رکھوالی‘ سودا کر لیا۔ اب نہ مال مؤمن کا نہ جان۔ خالی ہاتھ یک سو ہو کر باطل سے دو دو ہاتھ کرنے اس معرکہ گارزار میں اترا ہے (جیسے پہلوان تھری پیس سوٹ‘ ٹائی اور اٹالین جوتے پہن کر اکھاڑے میں نہیں کودتا)۔ کلمہ توحید اور قرآن کا نفاذ مطلوب ہے۔ اللہ کی کبریائی کا جھنڈا قائم کرنا ہے۔ لہٰذا عہدِ بندگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے اور مارنے کا فوری ذکر نتھی ہے۔ بندۂ مؤمن اس مقصد کے حصول کے لیے قتال فی سبیل اللہ کرے گا اور اللہ اُسے جنّت کا پکا وعدہ دے رہا ہے۔ دین اپنی ذات پر‘ پورے معاشرے پر قائم کرو۔ قتال کب تک‘ کہاں تک جاری رہے گا؟ مزاحم قوتوں سے جنگ کی حدود اور وقت کا تعین بھی اللہ نے کر دیا:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ؕ﴾

(الانفال:۳۹)

”اے ایمان لانے والو! ان کافروں سے جنگ کرو‘ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔“

جہاد کا مقصود اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں کہ دنیا سے غیر اللہ کا تسلط اور حاکمیت کا خاتمہ ہوجائے اور ''الدّین'' صرف اللہ کا ہو۔ وہی ''الدّین'' کہ سورۃ البیّنہ میں نماز و زکوٰۃ کو ''الدّین'' کہا گیا۔ سورۃ المائدہ میں حلال وحرام کی حدود قیود بیان فرما کر اسے ''الدّین'' کی تکمیل فرمایا۔ سورۃ النور میں زنا کی قانونی سزا بیان فرما کر اسے ''دین اللہ'' کا نام دیا۔ سورۃ النساء میں میراث کے احکام پورے نہ کرنے پر خلود فی النار کی سزا سنا دی۔ لہٰذا دنیا کو اللہ کی حاکمیت تلے لانا مؤمن کی ذمے داری ہے۔ کلمے کے ذریعے عہدِ بندگی کا استوار کیا جانا' تلاوتِ قرآن سب اسی خاطر ہے۔ سورۃ التوبہ میں اہلِ کتاب سے قتال کے حکم کی غرض و غایت بھی یہی ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾

''جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔''

(اس آیت کے ہوتے ہوئے سورۃ التوبہ نصاب سے کیوں نہ نکالی جائے!)

اہلِ کتاب سے ہماری جنگ کا ایجنڈا صرف ان کا مسلم ممالک پر غاصبانہ قبضہ کرنا یا ایک صدی بھر سے خونِ مسلم سے ہولی کھیلنا ہی نہیں ہے' بلکہ اس پر مزید وجہ مذکورہ بالا آیت ہے جو بہرصورت ہم پر بحیثیت مسلمان اور اُمّت فرض ہے۔ جس فرض کی ادائیگی جنگِ موتہ سے شروع ہوئی۔ تبوک' لشکرِ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ' خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تا مُلّا عمرؒ۔ مقصد صرف اقامتِ دین ہے۔ کل بھی اور آج بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے راستے پر استقامت عطا فرمادے' اپنی بندگی کے طریقے سکھا دے' تلاوت دین کو صحیح معنوں میں اقامتِ دین کی طرف موڑ دے' اور ہمارے اعمال کو اپنی شانِ کریمی کے مطابق قبولیت عطا فرمادے۔ آمین!

❁❁❁

ففتھ جنریشن وار فیئر

لطیف حسن گورگان ☆

گزشتہ کچھ عرصے سے پاکستان کی فوجی وسیاسی قیادت تواتر کے ساتھ خبردار کررہی ہے کہ پاکستان کوففتھ جنریشن وار کا سامنا ہے جسے ''ہائبرڈ وار'' یا ''گرے زون وار'' بھی کہا جاتا ہے۔ ہائبرڈ وار کیا ہے؟ اس کے عناصر اور جہات کیا ہیں؟ کسی ریاست کو ہدف بناتے وقت کیا طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے؟ زیرنظر تحریر میں ہم ان امور کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

''ہائبرڈ وار'' ایسے ذرائع' طریقوں اور کارروائیوں کا مجموعہ ہے جن سے مخالف کے کمزور پہلوؤں کونشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے لیے خفیہ اور اعلانیہ (covert & overt) طور پر عسکری اور غیر عسکری طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں ہائبرڈ وار موجودہ دور میں دستیاب تمام (سول وفوجی) وسائل کا کسی یکساں مقصد کے حصول کے لیے ماہرانہ اور برمحل استعمال کا نام ہے۔ اس کے بنیادی عناصر میں فوج' غیر ریاستی عناصر یا پراکسیز' معاشی دباؤ' جارحانہ سفارت کاری' سائبر وار فیئر' لاوار فیئر' سیاسی مخالفت' سوشل انجینئرنگ اور نفسیاتی حربے شامل ہیں۔ ہائبرڈ وار کے تحت پاکستان پر ریگولر افواج اور مسلح پراکسیز دونوں ذرائع سے دباؤ موجود ہے۔ ایک طرف بھارت نے خصوصاً مودی دور میں کشمیر کا محاذ مسلسل گرم رکھا ہوا ہے' دوسری طرف کچھ عرصہ پہلے تک افغان نیشنل آرمی کے ذریعے ہمیں مغربی محاذ پر برسرپیکار رکھا گیا جبکہ تیسری طرف ٹی ٹی پی اور بی ایل اے ایسی پراکسیز کے ذریعے پاکستان کی افواج کو اندرونی طور پر مصروفِ عمل کیا گیا۔

درحقیقت دشمن کو متعدد مقاصد کا حصول مطلوب ہے جن میں پاکستان کے دفاعی بجٹ میں اضافہ' روایتی فوجی قوت کو کمزور کرنا' ریاست کی ساکھ مجروح کرنا' عوامی سطح پر عمومی بے چینی اور تناؤ پیدا کرنا' پاکستان کو غیرملکی سرمایہ کاری کے لیے غیرمحفوظ ثابت کرنا' اسے ایک ناکام ریاست قرار دینا اور سب سے بڑھ کر پاکستان کی مسلّح افواج اور عوام کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا شامل ہیں۔ مزید

☆ ای میل: gorgan313th@gmail.com

برآں' عالمی' مقامی میڈیا اور دیگر ذرائع سے منظّم طور پر نفسیاتی حملے بھی شدّت سے جاری ہیں۔

ہائبرڈ وار کا ایک اہم پہلو معاشی دباؤ ہے جس کے تحت پاکستان کو گوناگوں مسائل کا سامنا ہے۔ ایک طرف FATF کا الجھاؤ ہے جس کی وجہ سے نہ صرف بیرونی سرمایہ کار تذبذب کا شکار ہیں بلکہ مقامی کاروباری طبقہ بھی بیرونِ ملک منتقلی کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہے۔ دوسری طرف عدم برداشت' صنفی امتیاز' انسانی حقوق کی پامالی اور انتہا پسندی ایسی نام نہاد اصطلاحات کے ذریعے بھی تجارتی پابندیوں کی تلوار لٹکا کر رکھی جاتی ہے۔ یورپی یونین کے دیے گئے GSP پلس سٹیٹس کو بھی ایک لیور کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ سول اور فوجی استعمال کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے حصول میں بھی رکاوٹیں ڈالی جارہی ہیں۔ سی پیک کو متنازع بنانے کے لیے نہ صرف میڈیا پر شدّت سے کام جاری ہے بلکہ اس کے روٹ کو متاثر کرنے کے لیے گلگت بلتستان میں نسلی وفرقہ وارانہ فسادات کے لیے بھی سرتوڑ کوشش جاری ہے۔ عالمی اور دوسرے مالیاتی اداروں کی جانب سے قرضوں کی فراہمی کو بھی ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس سے کسی بھی پاکستانی حکومت کے لیے آزادانہ فیصلے کرنا تقریباً ناممکن ہوجاتا ہے۔

ہائبرڈ وار کا ایک مظہر جارحانہ سفارت کاری بھی ہے۔ اس کے تحت پاکستان کو دھمکیوں اور لالچ کے ذریعے مطلوبہ فیصلے کرنے اور عالمی طاقتوں کے علاقائی مفادات سے ہم آہنگ حکمت عملی اپنانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جہاں مختلف لالچ دیے جاتے ہیں وہیں طاقت اور سزاؤں کے استعمال کی دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں اور بعض صورتوں میں محدود طور پر طاقت کا استعمال کیا بھی جاتا ہے۔ اس کی متعدد اقسام ہیں' جیسا کہ تجارتی اور دفاعی پابندیاں' عالمی تنہائی' دہشت گردانہ حملے' سرحدوں پر دباؤ' نسلی اور لسانی فرقہ وارانہ جماعتوں کی طرف سے احتجاج کے ذریعے عدم استحکام پیدا کرنا۔

ہائبرڈ وار کی ایک قسم سائبر وار فیئر کا مستقبل کی جنگوں میں ایک کلیدی کردار ہوگا۔ اس کا نشانہ کمپیوٹر کا ہر وہ سسٹم بن سکتا ہے جو براڈ بینڈ نیٹ ورک سے منسلک ہو۔ اس کے تحت کسی ریاست کے نیشنل یا ادارہ جاتی نیٹ ورک میں داخل ہوکر ان کی حساس معلومات چرانا' سسٹم کو تباہ کرنا' معطل کرنا یا عارضی قبضے میں لینا ممکن ہے۔ امریکا' آسٹریلیا اور یورپ کی متعدد حکومتوں اور بڑے کاروباری اداروں کو صرف گزشتہ ایک سال میں ایسے حملوں کے نتیجے میں ایک ارب ڈالر سے زیادہ تاوان ادا کرنا پڑا جبکہ ۲۰۲۱ء میں ایران کی دو نیوکلیئر تنصیبات پر کامیاب سائبر اٹیک

ہوئے۔خوش قسمتی سے پاکستان کی کسی دفاعی تنصیب پر آج تک کوئی کامیاب اٹیک رپورٹ نہیں ہوا جو ہمارے سائبر سکیورٹی سسٹم کے فول پروف ہونے کی علامت ہے۔البتہ سائبر سپیس کو استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف سیاسی اور نفسیاتی محاذوں پر بہت کام ہو رہا ہے۔

ہائبرڈ وار میں ''لافیئر'' کی اصطلاح لا اور وار فیئر کے امتزاج سے تخلیق کی گئی ہے' یعنی قانون کو جنگ کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا۔اس کے تحت ہدف ریاستوں کو عالمی سطح پر دستیاب قانونی ڈھانچے اور ان سے متعلقہ فورمز (جیسا کہ اقوام متحدہ اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس وغیرہ) سے نہ صرف اپنے جائز قانونی حقوق حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے بلکہ الٹا ان فورمز کو ان کے مزید قانونی استحصال اور مختلف النوع پابندیاں عائد کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔اس کی بہترین مثالیں کشمیر اور فلسطین کے تنازعات ہیں۔

ہائبرڈ وار فیئر کا ایک عنصر پولیٹکل وار فیئر ہے جس نے دنیا کے امن کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔اسے پولیٹکل ری سٹرکچرنگ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔اس کے مقاصد میں کسی ریاست کے سیاسی نظام کو تبدیل کرنا' طاقت کے مراکز کو بدلنا اور اپنی پسند کے عناصر کو اقتدار میں لانا شامل ہے۔ پہلے مرحلے پر ریاست میں موجود فالٹ لائنز یا دیرینہ تنازعات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ یہ تنازعات تاریخی' جغرافیائی' مذہبی' نسلی' لسانی' معاشی' فرقہ وارانہ اور سماجی نوعیت کے ہو سکتے ہیں۔ یہ فطری اور حقیقی بھی ہو سکتے ہیں جبکہ انہیں غیر فطری یا مصنوعی طور پر پیدا بھی کیا جاتا ہے۔ ڈس انفارمیشن اور پراپیگنڈا کے لیے سوشل میڈیا کا وسیع میدان موجود ہے۔ جب ایک دفعہ ان تنازعات کو ابھار لیا جائے اور پراپیگنڈا مہم کے نتیجے میں عوام کی معقول تعداد اس سے متاثر ہو جائے تو احتجاج کو اگلی سطح پر لے جانے کے لیے ایسے عوامل کی ضرورت ہوتی ہے جو عوام کو مشتعل کر سکیں۔ یہ مصنوعی یا حقیقی دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں' جیسا کہ کسی خاص طبقے یا گروہ کے خلاف دہشت گردی کا کوئی بڑا واقعہ' عدم مساوات' متنازع قوانین' کرپشن' انتخابات میں دھاندلی' مہنگائی و بے روزگاری وغیرہ۔ اس پورے عمل کو بروئے کار لانے کے لیے ایسے عناصر کو آلۂ کار بنایا جاتا ہے جو تبدیلی میں معاون ہو سکیں۔ یہ افراد بھی ہو سکتے ہیں اور ادارے بھی' جیسا کہ نسلی یا لسانی انتہا پسند سیاست دان' صحافی' انسانی حقوق کے عَلَم بردار' فرقہ پرست علماء وغیرہ' جبکہ اداروں میں این جی اوز' ذرائع ابلاغ کے مراکز اور ملٹی نیشنل کاروباری ادارے شامل ہیں۔ کسی بھی معاشرے

میں اتنی وسیع سطح پر اکھاڑ پچھاڑ کے لیے عوام کے نظریات' عقائد و اقدار' دلچسپیاں' سیاسی وابستگی' مثبت اور منفی پہلو جاننا بہت ضروری ہے' جس کے لیے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کا کردار بہت اہم ہے۔ یہاں صارفین ایک طرف تو اپنی معمول کی پوسٹس' پیغامات' پسند ناپسند' شیئرنگ' فالوونگ اور عمومی نیٹ سرفنگ کے ذریعے غیر ارادی اور لاشعوری طور پر اپنے خیالات' نظریات اور عقائد کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف جعلی یا غیر تصدیق شدہ مراکز کے ذریعے مخصوص معلومات کے حصول کے لیے سروے اور رائے دہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔اتنی وسیع معلومات کے استعمال اور تجزیے کو مصنوعی ذہانت اور بگ ڈیٹا اینالیسز نے بہت آسان بنا دیا ہے۔اس کے نتیجے میں متعلقہ ادارے نہ صرف ہدف ملک یا طبقے کے آئندہ کے لائحہ عمل کی پیش گوئی کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں بلکہ اس کی بنیاد پر انہیں پراپیگنڈا' ڈس انفارمیشن' حقائق کے ردّوبدل اور صحیح و غلط کے ماہرانہ اختلاط سے رائے عامہ کو اپنے مذموم مقاصد کے حق میں کرنے کا موقع بھی ملتا ہے۔

اس وقت دنیا کی تمام اہم علاقائی اور عالمی قوتیں اس طرح کے منصوبوں پر عمل پیرا ہیں۔ ہائبرڈ وار میں جب کسی ریاست کے اندرونی تنازعات کو احتجاج کی بنیاد بنایا جاتا ہے تو اس کے دائرے کو وسعت دینے کے لیے معاشرے کی متعدد اکائیوں کو منظم اور منضبط کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ کارکن تنظیمیں' وکلاء' ڈاکٹر' تاجر' کسان' طلبہ' سرکاری ملازمین' ٹرانسپورٹرز وغیرہ۔اس کے لیے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز اور ان پر بنائے گئے گروپس بہت اہم ہیں' جن سے معلومات اور پیغامات لمحہ بھر میں ہزاروں لاکھوں لوگوں تک پہنچ جاتے ہیں۔یوں عوامی تحریک کے لیے ہزاروں لوگوں کو ریموٹ طریقے سے متحرک اور منضبط کرنا بھی نہایت آسان ہو جاتا ہے۔

ہائبرڈ وار فیئر کا سب سے پیچیدہ اور مہلک ترین پہلو نظریاتی و نفسیاتی تخریب کاری ہے' جس سے ہدف ریاست کی سوشل انجینئرنگ مقصود ہوتی ہے۔اس کے ذریعے کسی قوم کے نظریات' عقائد' اقدار اور ثقافت کو غیر محسوس انداز میں ٹارگٹ کیا جاتا ہے تاکہ ان کے ادراک اور شعور کو ابہام کا شکار کر کے انہیں دشمن کے نظریات' عقائد اور اقدار و ثقافت کی طرف مائل کیا جا سکے۔ عسکری امور کے ماہر ایک چینی اسکالر سن تزو (SunTZU) نے اپنی کتاب ''آرٹ آف وار'' میں لکھا ہے: ''ہر جنگ لڑے جانے سے پہلے جیت لی جاتی ہے۔'' سائیکولوجیکل وار کے لیے سائی اوپس (Psyops)' سائی وار (Psywar)' بلیک اوپس (Blackops)' ملٹری انفارمیشن

سپورٹ آپریشنز (MISO)‘ وار آف ہارٹس اینڈ مائنڈز کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ انہیں ہر اُس عمل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو نفسیاتی ہو‘ اپنے ہدف طبقے میں مخصوص نفسیاتی ردِّعمل پیدا کرے اور دشمن کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔

نفسیاتی حملے عمومی طور پر ہدف قوم کے نظریات‘ عقائد‘ اقدار‘ ثقافت‘ جذبات‘ مورال‘ مقاصد اور ترجیحات کو منفی طور پر متاثر کرنے اور انہیں دشمن کے جنگی اور تزویراتی مقاصد کے مطابق ڈھالنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ عوامل کسی بھی قوم کو باہم متحد و منضبط رکھنے اور جنگی‘ سیاسی‘ معاشی‘ معاشرتی اور جذباتی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کلیدی اہمیت کے حامل ہیں‘ کیونکہ یہی عوامل کسی قوم کو آخر دم تک لڑنے کے لیے جذباتی اور حرکی (motivational) بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اگر ان کو کھوکھلا کر دیا جائے تو سن تزو کے الفاظ میں ’’جنگ لڑنے سے پہلے ہی جیت لی جاتی ہے۔‘‘ اس کے علاوہ ہدف ریاست کے اداروں کو کمزور کرنے اور قوم کا اپنے ادارہ جاتی نظام پر اعتماد ختم کرنے کے لیے خصوصی کام کیا جاتا ہے۔ ان میں اہم ترین فوج‘ عدلیہ‘ سیاسی اور معاشی ادارے ہیں۔

آج پاکستان کے دوقومی نظریے کو غیر حقیقی قرار دینا‘ ہماری تاریخ کو تعصب پر مبنی قرار دینا‘ حدود اللہ کو (نعوذ باللہ) وحشیانہ قرار دینا‘ تعلیمی نظام کو سیکولر بنانے کی باتیں کرنا‘ میڈیا پر ہماری مذہبی و اخلاقی اقدار سے متصادم کلچر کو فروغ دینا‘ پاک فوج کو خصوصی طور پر ٹارگٹ کرتے ہوئے اسے ہدفِ تنقید بنانا‘ جیسے تصوّرات حقائق اور معلومات کی شکل میں مختلف ذرائع سے تواتر کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ نہ صرف فوج کے مورال کے لیے تباہ کن ہو سکتے ہیں بلکہ قوم خصوصاً نوجوان نسل کو فکری ابہام کا شکار کر کے ان کی نظریاتی بنیادوں سے محرومی کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔

ہائبرڈ وار ایک ایسا طریقہ جنگ ہے جس کا مقابلہ روایتی فوجی قوت اور سکیورٹی استعداد کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ آج کا جنگی ماحول نہ صرف پیچیدہ بلکہ مکمل طور پر بدل چکا ہے۔ ماضی میں جنگیں محض فوجی ذرائع سے لڑی جاتی تھیں۔ دشمن اور مخالفین جانے پہچانے ہوا کرتے تھے۔ آج دشمن ہزار پردوں میں چھپا حالت امن میں بھی دہشت گردی کے وار کر رہا ہے۔ میڈیا پر جاری مہمات متبادل نظریات پھیلانے میں مصروف ہیں جو سیاسی و معاشرتی عدم استحکام کا باعث ہیں۔ اس کے تدارک کے لیے ٹیکنالوجی اور عسکری مہارتوں کو مجتمع کرنا ضروری ہے۔ سیاسی و فوجی قیادت

کو باہم منصوبہ بندی سے ایسا ادارہ جاتی نظام وضع کرنا چاہیے جو نہ صرف ہائبرڈ خطرات کا مقابلہ کرنے بلکہ اس ضمن میں جارحانہ حکمت عملی کی تشکیل اور اس پر عمل پیرا ہونے کی بھی کامل استعداد رکھتا ہو۔ اس کی ذِمہ داریوں میں دیگر کے علاوہ درج ذیل نکات شامل ہو سکتے ہیں: ہائبرڈ خطرات کی نشان دہی‘ تجزیہ اور ان کے تدارک کے اقدامات‘ ایسا مدافعتی نظام وضع کرنا جو ہائبرڈ خطرات کے خلاف فوجی و سول اداروں کی استعداد کار بڑھانے میں معاون ہو سکے‘ میڈیا پر نشر ہونے والے منفی مواد کی نشان دہی اور روک تھام وغیرہ۔

عوام خصوصاً نوجوان نسل کو بھی چاہیے کہ ہائبرڈ وار کے منصوبہ بازوں اور ان کے مقامی سہولت کاروں کے پیچھے چلنے کے بجائے اپنے نظریات اور اقدار کی حفاظت کریں‘ اپنے اداروں کے پشت پناہ بنیں اور روشن مستقبل کی طرف اپنا سفر جاری رکھیں! وما علینا الّا البلاغ!!

❁❁❁

بقیہ: انسانیت: دہلیز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر

یا زنورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است!

(اس دنیائے رنگ و بو میں جدھر بھی نظر دوڑائیں اس کی مٹی سے جو بھی آرزو ہویدا ہوتی ہے‘ اس کی چمک دمک یا تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور کی وجہ سے ہے‘ یا پھر ابھی تک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاش میں ہے۔)

لیکن چونکہ وہ نورِ نبوت سے براہِ راست استفادہ کرنے پر آمادہ نہیں‘ لہٰذا افراط و تفریط کے دھکوں کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہو رہا۔ تاہم کون نہیں جانتا کہ آج ان اقدارِ عالیہ سے سب سے بڑھ کر محروم اور سب سے زیادہ تہی دست و تہی دامن وہ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مریض کی عیادت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرست شخص کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ صحت کے ساتھ بیماری بھی ہے۔ کبھی انسان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پریشان ہوتا ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی، خیر خواہ اور مددگار رہتا ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ مریض کی عیادت کی جائے، یعنی اس کے پاس جا کر اُس کا حال پوچھا جائے، اُس کے ساتھ تسلی کے جملے بولے جائیں۔ اگر اسے کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ اس کو بہم پہنچائی جائے۔ مریض کی عیادت بڑی فضیلت کا کام ہے۔ جب عیادت کرنے والا مریض کے ساتھ حوصلہ افزا باتیں کرتا ہے تو اس کا دل خوش ہوتا ہے اور غم غلط ہوتا ہے۔ کسی کا دل خوش کرنا خود بڑی نیکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ بیماری گناہوں کو مٹاتی ہے۔ اس مسئلہ میں آپ ﷺ نے بتایا کہ بیماری صرف دکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے۔ اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہیے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں، مصیبتوں کو خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندۂ مؤمن کو جو بھی دکھ، بیماری، پریشانی، رنج، غم اور اذیت پہنچتی ہے یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی اسے چبھتا ہے تو اللہ ان چیزوں کے ذریعے اُس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے۔'' (بخاری و مسلم عن ابی سعید خدریؓ)

بیماری تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن یہ زندگی میں صحت کے ساتھ لازم ہے۔ اس لیے بیماری سے شفا کی دعا تو کرنی چاہیے مگر ساتھ ہی اُسے گناہوں کا کفّارہ بھی سمجھنا چاہیے۔ حضرت عامر رامیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا)۔ آپؐ نے فرمایا: ''جب بندۂ مؤمن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اُس کے پچھلے گناہوں کا کفّارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لیے نصیحت کا کام دیتی ہے۔ منافق

آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کہ کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔'' (سنن ابی داؤد)

اگر مریض کو بیماری کے اس پہلو کا احساس ہو تو اس کے لیے یہ تکلیف برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یوں اس کے دل اور روح کو تقویت ملتی ہے۔ ہاں گناہوں کو مٹانے کے لیے بیماری کی دعا کرنا نہیں چاہیے کہ اللہ غفورٌ رحیم گناہوں کو صحت و عافیت کے ساتھ بھی بخش دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان صبح کو کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو شام تک ستّر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستّر ہزار فرشتے اُس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اسے جنّت میں ایک باغ مل جاتا ہے۔'' (سنن ترمذی عن علیؓ) فرشتے اللہ کی پاک مخلوق ہیں، ان کی دعا بندے کے حق میں بہت بڑی فضیلت ہے۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی بیمار کی عیادت یا اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کے لیے جاتا ہے تو ایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے: تم برکت والے ہو، تمہارا چلنا بابرکت ہے اور تم نے جنّت میں ٹھکانا بنا لیا ہے۔'' (سنن ترمذی) عیادت کو جانے والے کے لیے اس خوش خبری کا تقاضا ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے ضرور وقت نکالا جائے جس سے نا صرف بے حد ثواب ہوگا بلکہ مریض بھی تسلی پائے گا اور خوش ہوگا۔

مریض کی عیادت کرنے والے کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو وہ جنّت کے خرفہ میں رہتا ہے۔ دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! جنّت کا خرفہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جنّت کے توڑے ہوئے پھل۔'' (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں۔'' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم اُسے ملو تو اُسے سلام کرو، جب وہ تمہاری دعوت کرے تو اسے قبول کرو، جب وہ تم سے نصیحت چاہے تو اُسے نصیحت کرو، جب وہ تم سے خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کرو، جب وہ چھینکے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے

تو اسے جواب میں یَرْحَمُکَ اللہ کہو (یعنی خدا تجھ پر رحم کرے) جب وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ وفات پا جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔'' (صحیح مسلم عن ابی ہریرہؓ)۔ سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص نے ایک دن میں پانچ اعمال کیے' اللہ تعالیٰ اُسے جنّت والوں میں لکھ دیتے ہیں (وہ اعمال یہ ہیں:) بیمار کی عیادت کی' جنازہ میں شرکت کی' روزہ رکھا' جمعہ کی نماز کے لیے گیا اور غلام آزاد کیا۔'' (الاحادیث الصحیحہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا: ''آج تم میں سے کس نے روزہ رکھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مَیں نے۔ پھر دریافت فرمایا: آج تم میں سے مسکین کو کس نے کھانا کھلایا؟ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مَیں نے۔ پھر فرمایا آج تم میں سے کس نے بیمار کی عیادت کی؟ سیّدنا ابوبکرؓ نے عرض کیا: مَیں نے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس آدمی میں بھی یہ باتیں جمع ہوں گی وہ ضرور جنّت میں جائے گا۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: ''جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذِمّہ داری میں ہے' جو بیمار کی عیادت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذِمّہ داری میں ہے' جو صبح یا شام مسجد جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذِمّہ داری میں ہے' جو حاکم کے پاس اُس کی مدد کے لیے جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذِمّہ داری میں ہے' جو اپنے گھر میں اس طرح رہتا ہے کہ کسی کی غیبت نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی ذِمّہ داری میں ہے۔'' (رواہ ابن حبان)

مریض کی عیادت کی جائے تو اسے خوش گوار احساس ہوتا ہے کہ لوگوں کو میرے ساتھ اُنس ومحبّت اور ہمدردی ہے جو اُس کے لیے تسلی کا باعث ہوتی ہے اور اس کا دل خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مریض کی عیادت کرو' بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور قیدیوں کو رہائی دلاؤ۔'' (صحیح بخاری) یہ تینوں کام فضیلت کا باعث ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی عیادت کرتے۔ آپؐ کے خلق عظیم کا مظہر ہے کہ آپؐ کافروں کی عیادت کے لیے بھی جاتے۔ اسی سلسلہ میں صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے کہ ایک یہودی لڑکا آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو آپؐ اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر آپؐ نے

فرمایا: ''اے لڑکے! اسلام لے آ۔'' لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اُس کے قریب ہی تھا۔ اُس کے باپ نے کہا: ابوالقاسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کر (یعنی اسلام قبول کر لے)۔ اس پر اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے باہر تشریف لائے اور آپؐ فرما رہے تھے: ''سب تعریف اس اللہ کے لیے جس نے اسے دوزخ سے رہائی دی۔'' (عن انسؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت کے لیے جاتے تو بیماری سے شفا کی دعا کرتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی' پھر آپؐ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔ اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔ اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔'' (صحیح مسلم)

بیمار کی شفا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ بھی حدیث میں مذکور ہیں جو مریض کے پاس پڑھنے مسنون ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ثابتؓ سے فرمایا: کیا تم کو مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھاڑ کے ساتھ نہ جھاڑوں؟ انہوں نے کہا: ضرور جھاڑیئے۔ تو حضرت انسؓ نے یہ دعا پڑھی: ((اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا)) (صحیح بخاری) اسی دعا کے ملتے جلتے الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے: ((لَا بَأْسَ طَھُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ)) ''کوئی حرج نہیں' ان شاء اللہ یہ بیماری (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی موت قریب نہ ہو' پھر اس کے پاس سات مرتبہ یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا کر دیتا ہے۔ ((أَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ ' رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ أَنْ یَشْفِیَکَ)) (ابوداؤد۔ ترمذی)

عیادت کے لیے جانے والے کے لیے ضروری ہے کہ آداب کو ملحوظ رکھے۔ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے تاکہ اس کے معمولات میں حرج نہ ہو۔ اس کے ساتھ پُرامید باتیں کرے۔ صحت کی امید دلائے اور بیماری کو گناہوں کا کفّارہ بتائے۔ اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو اُس کی مدد کرے۔ مریض کے پاس بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی غیر متعلقہ باتیں نہ کرے۔ ❁❁

علمِ تفسیر اور مفسّرین کرام (۵)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان

(د) تابعینؒ کے تشریحی و تفسیری اقوال

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۱۶) حضرت ابن سیرینؒ

آپ محمد بن سیرین ہیں اور کنیت ابوبکر ہے۔ آپ کے والد سیرین‘ حضرت انس ؓ کے آزاد کردہ غلام تھے‘ جب کہ آپ کی والدہ صفیہ‘ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ جب یہ حضرت ابوبکر ؓ کی ملکیت میں آئیں تو تین ازواجِ مطہرات ؓ نے ان کو خوشبو لگائی اور اس تقریب میں اٹھارہ بدری صحابہ کرام ؓ شریک ہوئے۔ شرکاء میں حضرت اُبی بن کعب ؓ بھی تھے‘ جنہوں نے دعا کرائی اور باقی صحابہؓ نے آمین کہی۔ حضرت سیرین کی اولاد میں سے چھ افراد محمد‘ معبد‘ انس‘ یحییٰ‘ حفصہ اور کریمہ معروف اور احادیث کے ثقہ راوی ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور اور جلیل القدر صاحب زادے حضرت محمد بن سیرین ہیں۔ آپ کا ورع وتقویٰ ضرب المثل ہے۔ حضرت ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ ہم ابن سیرین کے گھر مقیم رہے تو دن کے وقت ہم ان کے ہنسنے کی آوازیں سنتے تھے (کیونکہ آپ شگفتہ مزاج بزرگ تھے) اور رات کے وقت ان کے رونے کی۔

متقیانہ اور عادلانہ مزاج کے باعث آپ نے قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں۔ گرفتاری کے دوران قید خانے کے دربان نے ابن سیرین کو پیش کش کی کہ روزانہ رات کو اپنے گھر چلے جایا کریں اور صبح کو واپس آجایا کریں۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ نہیں! خدا کی قسم! مَیں سلطان (حکمران) کی خیانت پر تمہاری اعانت نہیں کروں گا۔

ابن سیرین تفسیر‘ حدیث اور فقہ کے مسلّمہ امام ہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس‘ حضرت ابوہریرہ‘ حضرت عمران بن حصین‘ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت ؓ سے ان کا سماع ثابت ہے۔ جن صحابہ سے ان کا سماع ثابت نہیں‘ ان سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ ابن سیرین کی مراسیل بہت سے وہ حضرات بھی قبول کرتے ہیں جو مرسل کو حُجت نہیں مانتے‘ جیسے علّامہ ابن تیمیہؒ۔ منہاج السنۃ کے مطابق علامہ کا کہنا ہے: ’’محمد بن سیرین اپنی گفتگو میں محتاط ترین انسان ہیں اور ان کی مراسیل‘ صحیح ترین مراسیل میں سے ہیں‘‘۔ ابن سیرین نے بصرہ میں ۱۱۰ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(۱۷) حضرت اسودؒ

آپ اسود بن یزید بن قیس نخعی ہیں اور کنیت ابوعمرو ہے۔ کوفہ کے باشندے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ اکابر تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اسودؒ حضرت علقمہ ؓ کے بھتیجے اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے ماموں ہیں۔ آپ نے حضرات ابوبکر‘ عمر‘ علی‘ حذیفہ‘ بلال اور دیگر صحابہ ؓ سے احادیث روایت کیں۔ آپ صالح‘ ثقہ‘ علوم قرآنی کے ماہر اور عبادت وزہد میں بہت مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسود نے اسّی مرتبہ حج یا عمرے کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ آپ کے صاحب زادے عبدالرحمٰنؒ سات سو رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے‘ اس کے باوجود کہا جاتا کہ وہ اسود کے گھر والوں میں (عبادت کے اندر) سب سے کم محنت کرتے ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اسودؒ رمضان المبارک میں دو راتوں کے اندر قرآن مجید ختم کر لیتے اور صرف مغرب اور عشاء کے درمیان سوتے تھے‘ البتہ رمضان کے علاوہ چھ راتوں میں قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ حضرت اسودؒ اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے کہ جسم نیلا پیلا ہو جاتا۔ علقمہؒ ان سے کہتے کہ آپ اپنے جسم کو اتنی تکلیف کیوں دیتے ہیں؟ جواب دیتے کہ اسی جسم کی اُخروی راحت چاہتا ہوں‘ اور کبھی جواب یوں ہوتا: ابوشبل! (آخرت کا) معاملہ بڑا سنگین ہے۔ اسودؒ کے بارے میں امام نوویؒ کا قول ہے کہ آپ کی ثقاہت اور جلالت قدر پر اتفاق ہے۔ ابن سعدؒ‘ امام احمدؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے اسود کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اصحابِ صحاحِ ستہ آپ سے اخذ ونقل کرنے پر متفق ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ نے اسودؒ کا شمار حضرت ابن مسعودؓ کے ان تلامذہ میں کیا ہے جو فتویٰ دیا کرتے تھے۔ محدث ابن حبانؒ بھی آپ کی ثقاہت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ’تہذیب التہذیب‘ کے مطابق اسود

۷۴ھ یا ۷۵ھ میں راہیٔ ملک بقا ہوئے۔

علمِ تفسیر میں تابعین کے اقوال کا مرتبہ

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ مفسّر تابعین کے اقوال اور آراء حُجّت ہیں یا نہیں؟ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس حوالے سے بہترین محاکمہ کیا ہے‘ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تابعی اگر کوئی تفسیر کسی صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو کہ صحابہ کرام ؓ کی تفسیر کا ہے۔ اگر تابعی خود اپنا قول یا رائے بیان کرے تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ دوسرے کسی تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں! اگر کوئی قول اس کے خلاف موجود ہو تو اس حالت میں تابعی کا قول حُجّت نہیں ہو گا‘ بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لیے قرآن حکیم‘ احادیث نبویہ‘ آثارِ صحابہ‘ دوسرے شرعی دلائل اور لغت عرب پر غور و فکر کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر تابعین کے درمیان اس قول یا رائے کے حوالے سے کوئی اختلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں بلاشبہ ان کا تفسیری قول اور رائے قابلِ حُجّت اور واجب الاتباع ہو گی۔

امام احمد بن حنبلؒ سے اس ضمن میں دو قول نقل کیے گئے ہیں‘ ایک میں تابعین کے اقوال کو قابل قبول قرار دیا گیا ہے اور دوسرے میں اس کے برعکس ارشاد ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ تابعی کی تفسیر غیر مقبول ہے۔ ابن عقیلؒ نے خود یہی مسلک اختیار کیا ہے اور اسے شعبہؒ سے بھی منسوب کیا ہے۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ تابعین نے براہ راست حضور ﷺ سے کسبِ فیض نہیں کیا‘ اس لیے اقوالِ صحابہ کی طرح ان کی آراء کو آنحضرت ﷺ سے سماع پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ نیز انہوں نے بذاتِ خود وہ ظروف و احوال ملاحظہ نہیں کیے جن میں قرآن نازل ہوا تھا‘ اس لیے کچھ بعید نہیں کہ فہم مراد و مقصود میں ان سے کمی بیشی ہوئی ہو۔

اس کے برعکس جمہور مفسّرین کا موقف یہ ہے کہ تابعین کے تفسیری اقوال قابل قبول ہیں‘ اس لیے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر حقیقت کے لحاظ سے وہی ہیں جو کہ صحابہؓ سے بھی منقول ہیں۔ جیسے مشہور تابعی مجاہدؒ کا کہنا ہے کہ میں نے تین مرتبہ قرآن کریم کو اوّل سے آخر تک ابن عباس ؓ کو سنایا اور ہر آیت کی تفسیر کے بارے میں ان سے پوچھتا رہا۔ اسی طرح مسروقؒ کا قول ہے کہ ابن مسعود ؓ ہمیں قرآن کریم کی کوئی سورت سناتے اور پھر دن بھر اس کی تفسیر بیان کرتے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسّرین نے تابعین کے اقوال و آراء پر اعتماد کیا ہے۔ دراصل تابعی کا قول اسی

صورت میں قابل احتجاج ہے جبکہ اس میں رائے کی گنجائش نہ ہو اور شک و شبہ سے بالا ہو۔ جب کسی رائے پر تابعین کا اجماع منعقد ہو جائے تو پھر اسے ترک کر کے ہم کسی دوسرے قول کو قبول نہیں کر سکتے۔

اس حوالے سے مقدمہ اصولِ تفسیر میں ابن تیمیہؒ کا بیان ہے کہ شعبہ بن حجاجؒ اور دیگر علماء کا خیال ہے کہ تابعین کے اقوال جب علی العموم حُجّت نہیں تو پھر تفسیر میں کیونکر حُجّت ہو سکتے ہیں! ان کا مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال سے مخالف پر حُجّت قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ بات بذات خود درست ہے‘ مگر جس بات پر تابعین کا اجماع منعقد ہو جائے‘ اس کے حُجّت ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ جب تابعین کسی بات پر مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حُجّت ہو سکتا ہے اور نہ بعد میں آنے والے لوگوں پر۔ بخلاف ازیں ایسے موقع پر سُنّتِ نبویؐ‘ اقوالِ صحابہؓ یا عربی زبان کے عموم کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ (جاری ہے)

❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو / ویڈیو کیسٹس / سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

Oct 2021
Vol.70

Regd. CPL No.115
No.10

Monthly **Meesaq** Lahore

قانونِ اسلامی کے مستقل مآخذ